احیائے اسلام و امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

نومبر 2025ء

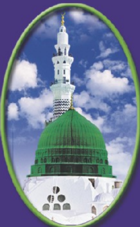

احکامِ شریعت کی تاثیر اخلاقِ حسنہ سے مشروط ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و تربیتی خصوصی خطاب

اُمتِ مسلمہ کا نظامِ حیات
اعتدال اور میانہ روی

الحادی رجحانات
فروغ کے عوامل اور اثرات

ماحولیاتی توازن اور وسائل کا تحفظ

فکرِ اقبال کی تہذیبی معنویت

ڈیجیٹل دور میں بچوں کی تربیت
چیلنجز اور حل

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ ہزارہ ڈویژن

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی معرکہ آراء تصانیف

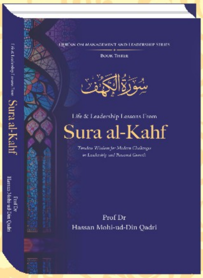

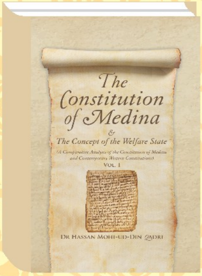

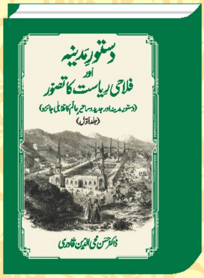

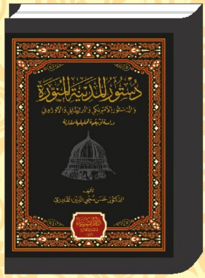

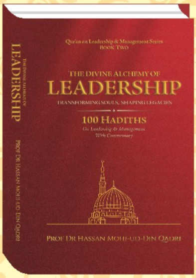

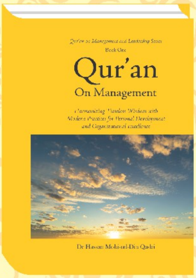

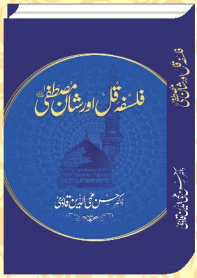

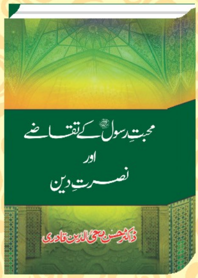

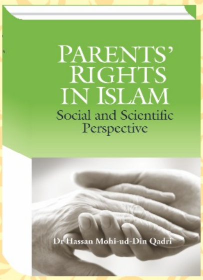

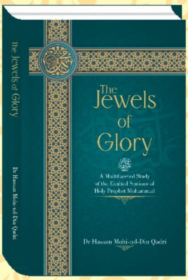

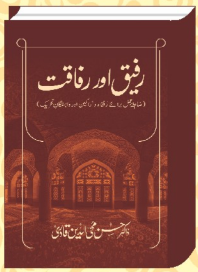

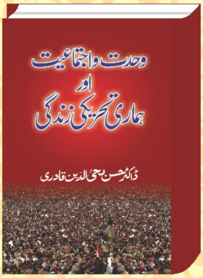

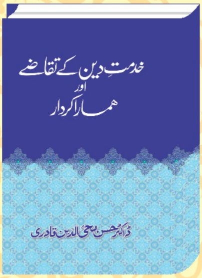

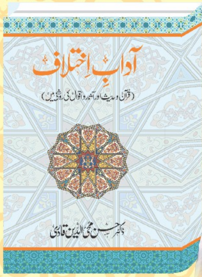

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیرِ نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

جلد: 39 شمارہ: 11 | جمادی الاول/جمادی الثانی ۱۴۴۷ھ | نومبر 2025ء

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: ابدال احمد میرزا

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، ڈاکٹر محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد بلال اوپل، سید علی عباس بخاری، فیصل حسین شہدی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، علی عمران، داؤد حسین شہدی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسن ترتیب

اداریہ: منہاج یونیورسٹی لاہور کے زیرِ اہتمام تاریخی 8ویں بین المذاہب کانفرنس	(چیف ایڈیٹر)	5
القرآن: احکامِ شریعت کی تاثیر اخلاقِ حسنہ سے مشروط ہے	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	8
الفقہ: آپ کے فقہی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	17
امتِ مسلمہ کا نظامِ حیات: اعتدال اور میانہ روی	پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	22
الحادی رجحانات کے فروغ کے عوامل اور اثرات	ڈاکٹر محمد ممتاز الحسن باروی	31
ماحولیاتی توازن اور وسائل کا تحفظ	ڈاکٹر شبیر احمد جامی	41
ڈیجیٹل دور میں بچوں کی تربیت: چیلنجز اور حل	محمد یوسف منہاجین	51
معاشرتی ہم آہنگی کا بحران اور تحمل و برداشت کی اہمیت	عبدالستار منہاجین	60
فکرِ اقبال کی تہذیبی معنویت	ڈاکٹر طاہر حمید تنولی	69
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورہ ہزارہ ڈویژن	خصوصی رپورٹ	80

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم | گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری | عکاسی: قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ: 60 روپے | سالانہ خریداری: 700 روپے

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

www.minhaj.info
www.facebook/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطیٰ جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 02930103644000 میزان بینک شالیمار لنک روڈ لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext: 128

حمد باری تعالیٰ

یاالٰہی! قادر و قیوم تیری ذات ہے
حاجتیں برلا مری، تو قاضی الحاجات ہے

مشکلوں کا حل مجھے دشوار ہے
تو کرم کردے تو بیڑا پار ہے

مال و زر درکار ہیں یارب! نہ حشمت چاہئے
جو محمدؐ کو عطا کی تھی وہ دولت چاہئے

صبرو استغناء کی دولت دے مجھے
مصطفیؐ والی قناعت دے مجھے

زندگی کا مرتے دم، اللہ! نیک انجام ہو
لب پہ تیرا ذکر ہو، تیرے نبیؐ کا نام ہو

خاتمہ ہو دین پر ایمان پر
جان دو اسلام پر، قرآن پر

داغِ عصیاں کی ندامت کھائے جاتی ہے مجھے
دیکھ کر اعمال اپنے شرم آتی ہے مجھے

سامنے تیرے میں آؤں کس طرح
روسیاہ ہوں منہ دکھاؤں کس طرح

شرم سے گردن جھکی ہے اس لئے سرکار میں
خالی ہاتھ لے کر آیا ہوں ترے دربار میں

زہد رکھتا ہوں نہ تقویٰ پاس ہے
ہے تو اِک تیرے کرم کی آس ہے

(احمد سہارنپوری)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

ہے نبی کی چاکری میں محویت، وجہِ نشاط
جن کی رحمت ہے پئے انسانیت، وجہِ نشاط

بت پرستوں کو خدا کی سمت موڑا آپ نے
اِک خدا پر ہوگئی ایمانیت، وجہِ نشاط

زائروں کو روبروئے روضۂ سرکار ہے
جالیوں سے پھوٹتی نورانیت، وجہِ نشاط

اے خوشا باشندگانِ شہرِ طیبہ کے لیے
ارضِ خلد آثار کی ہے شہرت، وجہِ نشاط

سر کٹانا عشق میں ان کے لیے آسان ہے
جن کو ہے سرکار کی محبوبیت، وجہِ نشاط

بڑھ کے ہمت سے دکھائیں جب نبی کا اتباع
تب کہیں اولاد کی ہو تربیت، وجہِ نشاط

جب سوا نیزے پہ سورج ہو تو اے میرے خدا
ان کا جھنڈا مجھ کو بخشے عافیت، وجہِ نشاط

جوڑتی ہے تارِ دل کو جو درِ سرکار سے
مجھ کو ہمذآلی ہے وہ روحانیت، وجہِ نشاط

(انجینئر اشفاق حسین ہمذآلی)

منہاج یونیورسٹی لاہور کے زیرِ اہتمام تاریخی 8 ویں بین المذاہب کانفرنس

اسلام انسانیت، امن، محبت اور رواداری کا درس دیتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات گواہ ہیں کہ آپ ﷺ نے تکریم انسانیت پر سب سے زیادہ زور دیا اور ایک بے گناہ انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی ایک شخص کی جان بچائی گویا اس نے پوری انسانیت کو بچا لیا۔ اسلام میں فساد فی الارض کو گناہ کبیرہ قرار دیتے ہوئے اسے ایک ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔ اسلام میں تشدد، عدم برداشت، تنگ نظری، دہشتگردی کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بین المذاہب رواداری کی عظیم الشان روایات کی داغ بیل ڈالی اور مکالمہ کے کلچر کی حوصلہ افزائی کی مگر افسوس کہ آج کا انسان، جو بظاہر ترقی کی بلندیوں کو چھو رہا ہے، اندرونی طور پر نفرت، تعصب، اور انتہاپسندی کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ ان متشدد رویوں کو مزید نظر انداز کرنا اجتماعی امن اور انسانی بقا کو خطرات سے دوچار کرنا ہے۔ انتہا پسندی کے خاتمہ کے لئے مذہبی رواداری وہ روشن چراغ ہے جو معاشرتی امن، انسانی وقار اور باہمی احترام کی راہوں کو ہموار کرتا ہے۔ آج کے دور میں مذہبی رواداری کا فروغ صرف ایک اخلاقی ضرورت نہیں بلکہ ایک قومی، انسانی اور بین الاقوامی **فریضہ** بن چکا ہے۔ اسلام امن و رواداری کا ضابطہ حیات ہے جو اپنے ماننے والوں کو معاشرتی عدل و انصاف، اعتدال و رواداری اختیار کرنے اور انسانیت کے احترامِ کا حکم دیتا ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔" یہ آیت کریمہ دراصل مذہبی آزادی اور رواداری کا سب سے بڑا منشور ہے۔ اسلام کسی کو زبردستی مسلمان بنانے یا مذہب کے نام پر کسی کی جان لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ اس حوالے سے سب سے بڑی روشن مثال ہے۔ مدینہ منورہ میں جب آپ ﷺ نے اسلامی ریاست قائم

فرمائی تو آپ ﷺ نے مختلف مذاہب اور قبائل کے ساتھ میثاق مدینہ کے نام سے معاہدہ فرمایا۔ اس معاہدے کا لب لباب مذہبی آزادی اور بلا تفریق رنگ و نسل و مذہب جان و مال کا تحفظ تھا۔ آپ ﷺ نے "میثاقِ مدینہ" کے ذریعے ایک ایسا اجتماعی نظام عدل قائم کیا جس میں مسلمان، یہودی اور دیگر اقوام کے افراد برابر کے شہری تھے۔ یہ معاہدہ دراصل تاریخ عالم کا پہلا آئینی دستور ہے جس نے مذہبی رواداری کو ریاستی قانون کی بنیاد بنا دیا۔ اس کی مکمل تفصیلات جاننے کے لئے محترم پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی شہرہ آفاق تصنیف ''دستور مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور'' کا مطالعہ کیا جائے۔

اس امر میں کوئی شُبہ نہیں فی زمانہ بین المذاہب رواداری کے فروغ اور بین المسالک ہم آہنگی کے لئے قومی و عالمی سطح جو کردار منہاج القرآن اور اس کی قیادت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ نے انجام دیا ہے وہ تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ شیخ الاسلام نے بین المذاہب رواداری کے تناظر میں ہا رہا لیکچرز دئے اور درجنوں کتب تصنیف فرمائیں جن سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بھی ہزاروں لاکھوں میں ہے۔ بدقسمتی کے ساتھ کچھ دشمن قوتوں نے مسلمانوں کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت انتہا پسندی کے راستے پر ڈالا اور پھر دہشتگردی کو اسلامی تعلیمات کے ساتھ جوڑنے کی ناپاک سازش کی۔ شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ نے اس فتنہ الخوارج کو اور اس فکر کو پوری طرح بے نقاب کیا اور اسلام کے دامن پر لگائے جانے والے انتہا پسندی کے الزامات کو قرآن و سنت کی روشنی میں رد کیا۔

قرآن و سنت کی امن فلاسفی کو منہاج یونیورسٹی لاہور لے کر آگے بڑھ رہی ہے۔ منہاج یونیورسٹی لاہور وطن عزیز کی وہ واحد یونیورسٹی ہے جو مسلسل 8 سال سے بین المذاہب رواداری کے فروغ واحیا کے لئے کانفرنسز منعقد کر رہی ہے۔ ان کانفرنسز میں دنیا کے نامور دانشور حضرات شرکت کرتے اور فروغ امن کے حوالے سے اپنی سفارشات پیش کرتے ہیں۔ ماہ اکتوبر کے آخری ہفتہ منہاج یونیورسٹی لاہور کے زیر اہتمام 8 ویں بین المذاہب کانفرنس منعقد ہوئی اس کانفرنس میں 25 ممالک کے دانشور حضرات نے شرکت کی اور فروغ امن کے ضمن میں اپنی شاندار سفارشات پیش کیں۔ بین المذاہب رواداری کی اس 8 ویں عالمی کانفرنس میں پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے نہایت فکر انگیز خطاب کیا اور سفارشات پیش کیں۔

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ پاکستان تمام مذاہب و مسالک سے سجا ہوا پھولوں کا گلدستہ ہے۔ مذہبی رواداری سے ہم آہنگی اور قومی یکجہتی کو فروغ ملتا

ہے۔ تمام مذاہب اور ان کی مذہبی روایات کا احترام وقت کی ناگزیر ضرورت ہے۔ پاکستان میں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ امن و ہم آہنگی کو فروغ دینا ان کی زیادہ ذمہ داری ہے۔ قومی یکجہتی اور سماجی انصاف کے لئے علمائے کرام و مذہبی رہنماؤں کو برابری کی بنیاد پر بانی پاکستان کے ویژن اور نظریہ پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ پائیدار امن اور ترقی صرف قانونی اصلاحات سے ممکن نہیں بلکہ اس معاشرتی سوچ کو بدلنے سے ممکن ہے جو انتہا پسندانہ اقدامات پر اکساتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تعلیم، ثقافتی مکالمہ اور معاشرتی میل جول بڑھانے سے متشدد رویوں کا خاتمہ ممکن ہے۔ بین المذاہب رواداری اور سماجی انصاف پر نا صرف آئین پاکستان زور دیتا ہے بلکہ پیغمبر اسلام حضور نبی اکرم ﷺ نے اقلیتوں کے حقوق و فرائض کی تعلیم دی ہیں۔ اسلام بلا تفریق مذہب اور رنگ و نسل انسانی جان و مال کے تحفظ کی بات کرتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ توہین مذہب کا قانون در حقیقت مذاہب کے تحفظ اور تکریم کا قانون ہے۔ پروسیجرل سطح پر پائے جانے والے ابہام دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس امر کو یقینی بنانا ہوگا کہ ماورائے عدالت و قانون کوئی کسی کے جان و مال سے نہ کھیل سکے اس سارے عمل میں علمائے کرام اور مذاہب کے نمائندوں کا کردار مرکزی ہے۔

کانفرنس میں شریک ڈائریکٹر جنرل سول سروسز اکیڈمی لاہور فرحان عزیز خواجہ نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ بین المذاہب رواداری کے فروغ اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے ضمن میں تشکیل پانے والی قومی پالیسی میں منہاج یونیورسٹی لاہور کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی بین الاقوامی، بین المذاہب کانفرنسز کی سفارشات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ کانفرنس کے مقررین شرکا نے مذہبی رواداری کے لئے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے اقوال کا حوالہ بھی دیا۔ بالخصوص 11 اگست 1947ء کے خطاب کا بطور خاص ذکر کیا کہ بانی پاکستان نے فرمایا تھا کہ آپ اپنی عبادات کے حوالے سے آزاد ہیں اور بلا روک ٹوک اپنی مذہبی روایات پر کاربند رہ سکتے ہیں۔ بانی پاکستان نے جس مذہبی رواداری کی بات کی تھی اس کا تعلق ریاست مدینہ سے ہے۔ آپ ﷺ نے نجران کے عیسائی وفد کو مسجد نبوی میں عبادت کی اجازت دی جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اسلام زور زبردستی کا نہیں بلکہ اعتدال و رواداری کی تعلیمات سے عبارت ہے۔ بلاشبہ اس وقت وطن عزیز میں محبت اور رواداری کے جذبات پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔ انتہا پسندی اور دہشتگردی نہ صرف امن کی دشمن ہے بلکہ اس سے ترقی اور خوشحالی کے راستے بھی مسدود ہو جاتے ہیں۔ مذہبی تحریکوں کو بالخصوص مصطفوی تعلیمات کی روشنی میں امن کے بیانیہ کو نمایاں کرنا چاہئے۔

(چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی)

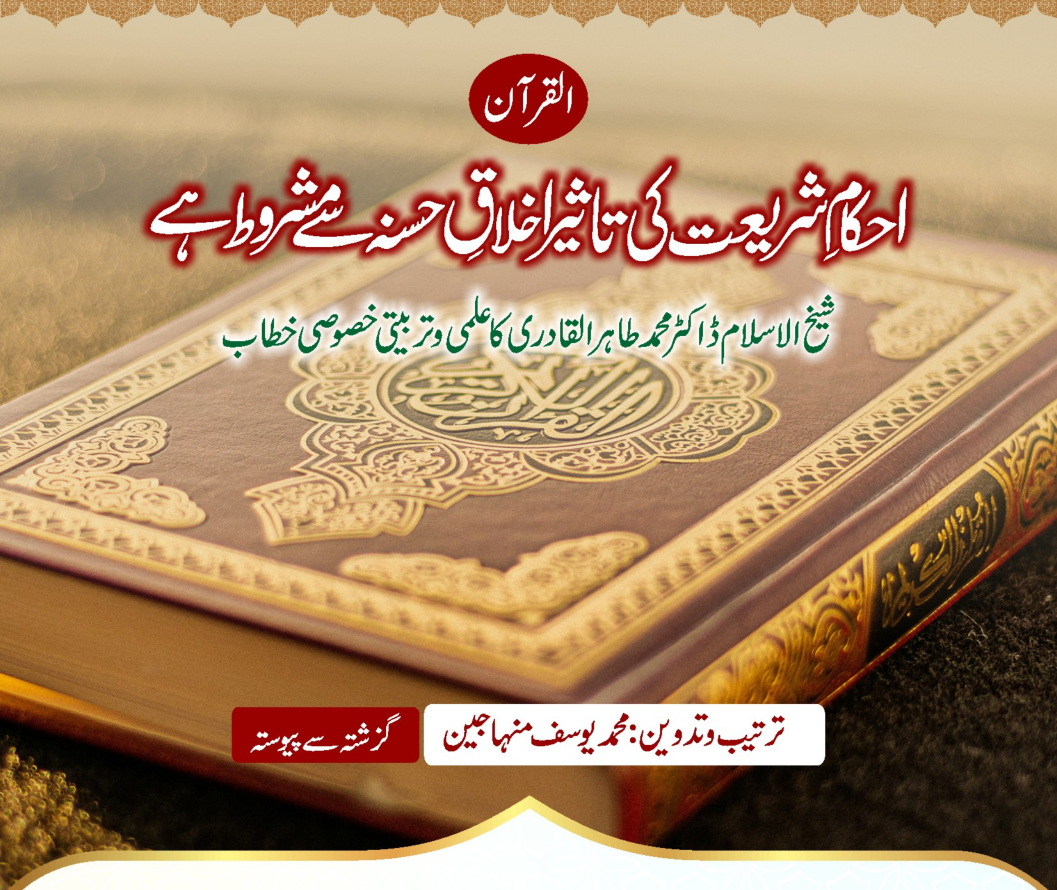

القرآن

احکامِ شریعت کی تاثیر اخلاقِ حسنہ سے مشروط ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و تربیتی خصوصی خطاب

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

گزشتہ سے پیوستہ

قرآن مجید میں حضور نبی اکرم ﷺ کی طبیعت مبارکہ کا بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔

(آل عمران، ۳: ۱۵۹)

اے حبیبِ والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم طبع ہیں، اور اگر آپ تُند خُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے۔

آیت کریمہ کا پہلا حصہ: ''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ'' جس میں آقا ﷺ کی طبیعت بیان کی گئی، اس کے تجویدی قواعد، ان الفاظ کا مزاج و طبیعت اور ان کی تعبیری مطابقت اور ہے جبکہ دوسرے حصہ: ''وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ'' اس حصے کے ہر ہر لفظ اور حرف کی تجوید کا مزاج اور طبیعت اور ہے۔ حروف کے مزاج کی سائنس آقا علیہ السلام کے زمانے میں ایجاد نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی علمِ تجوید ایجاد ہوا تھا۔ ان دونوں حصوں کے حروف کے مزاج کی خبر تو علمِ تجوید کے قواعد بنائے جانے کے بعد سامنے آئی اور اس وقت ان میں فرق کیا گیا مگر آقا علیہ السلام کی طبیعت کے بیان کے لیے ان

حروف کا استعمال کرنا کہ وہ حروف بھی طبیعتِ محمدی ﷺ کے عین مطابق ہیں اور آقا ﷺ کی طبیعت کو ظاہر کرتے ہیں، یہ قرآن مجید کا معجزہ ہے۔

قرآن مجید سے آقا ﷺ کی طبیعت مبارکہ کے بیان کے لیے استعمال کیے گئے حروف کی سائنس کے بیان (شائع شدہ ماہنامہ منہاج القرآن ماہ اکتوبر 2025ء) کے بعد آیئے! مزید آیاتِ قرآنی کا مطالعہ کرتے ہیں جن سے حروف کہ یہ سائنس مزید واضح ہو جائے گی:

۱۔ سورۃ الرحمن میں اللہ تعالیٰ نے جنت کے ذکر کے تحت فرمایا:

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ۔ (الرحمن، ۵۵: ۵۰)

”ان دونوں میں دو چشمے بہہ رہے ہیں۔“

لفظ ”تَجْرِيَان“ کی ”ت“ پر زبر، ”ج“ پر جزم، ”ر“ کے نیچے زیر، ”ی“ پر کھڑی زبر اور ”نون“ کے نیچے زیر ہے۔ اس اعراب کے ساتھ لفظ تجریان کے اندر ایک روانی، بہاؤ اور تسلسل ہے۔ جس طرح چشموں میں روانی ہوتی ہے، اسی طرح اس لفظ کی ادائیگی کے اندر بھی ایک بہاؤ اور روانی ہے۔ اس لفظ میں کسی حرف پر کوئی شد نہیں ہے۔ یہ سارے حروف روانی (flow) کے حروف ہیں۔

۲۔ سورۃ الرحمن میں ہی چشموں کی ایک دوسری قسم کا بھی ذکر ہے۔ ان کے اظہار کے لیے فرمایا:

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ۔ (الرحمن، ۵۵: ۶۶)

”ان دونوں میں (بھی) دو چشمے ہیں جو خوب چھلک رہے ہوں گے“

لفظ نَضَّاخَتٰنِ میں ”ض“ ایک ایسا حرف ہے جو بھاری آواز کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، مزید یہ کہ اس کے اوپر شد ہے یعنی اس کو دو بار پڑھا جائے گا۔ پس جب ہم ”نَضَّاخَتٰنِ“ پڑھتے ہیں تو ان حروف کی وجہ سے ایسی آواز ہمارے منہ سے نکلتی ہے جیسے کوئی چیز پھٹ رہی ہے۔ یہ اُن دو چشموں کا ذکر ہے جو بہہ نہیں رہے بلکہ زمین کو چیر کر پھوٹ رہے ہیں۔ قرآن مجید کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ جب ایسے چشموں کا ذکر کیا جن میں بہاؤ اور روانی ہے وہاں (عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ) ایسے حروف کا استعمال فرمایا جن کی ادائیگی میں روانی، بہاؤ اور تسلسل کا اظہار پایا جاتا ہے اور جہاں ایسے دو چشموں کا ذکر کیا جو زمین کو پھاڑ کر پھوٹ رہے ہیں اور پھوٹنے میں چونکہ طاقت لگتی ہے، زمین پھٹتی ہے تب چشمہ نکلتا ہے وہاں (عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ) ایسے حروف استعمال فرمائے جن کی ادائیگی میں ہی قوت اور طاقت کا اظہار پایا جاتا ہے۔

۳۔ قرآن مجید کے اس اعجاز کی ایک اور مثال سورۃ الناس ہے۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ (الناس: ۱-۶)

”آپ عرض کیجئے کہ میں (سب) انسانوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو (سب) لوگوں کا بادشاہ ہے۔ جو (ساری) نسلِ انسانی کا معبود ہے۔ وسوسہ انداز (شیطان) کے شر سے جو (اللہ کے ذکر کے اثر سے) پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والا ہے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ خواہ وہ (وسوسہ انداز شیطان) جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔“

اس سورت کی ہر آیت کا اختتام حرف ”س“ پر ہو رہا ہے۔ چوتھی اور پانچویں آیت میں حرف ”س“ تین تین مرتبہ آیا ہے۔ حرف ”س“ کی ادائیگی سے Whispering (سرگوشی) کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ کسی کے کان میں جو بات ڈالی جاتی ہے، وہ وسوسہ ہوتا ہے۔ اس پوری سورت کا مضمون چونکہ وسوسہ اور خیال ہے جو سرگوشی (whispering) کے ذریعے دلوں میں ڈالا جاتا ہے، اس کے لیے حرف ”س“ کی آواز اس ماحول کی عکاسی کرتی ہے۔ پس وسوسہ کے مضمون کے بیان کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ”س“ کو متعدد مرتبہ استعمال فرمایا۔ اس کے ساتھ ایک فضا پیدا ہوگئی جو whisper کو ظاہر کرتی ہے۔

قرآن مجید میں موجود حروف کی سائنس کے اس مطالعہ کے بعد آیئے! اب زیرِ بحث موضوع: ”طبیعت اور شریعت کے باہمی تعلق“ کے ذیل میں اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ طبیعت میں نرمی اور سختی کا پتہ کیسے چلتا ہے؟

طبیعت میں نرمی اور سختی کو جاننے کا پیمانہ

طبیعت کی نرمی یا سختی نظر نہیں آتی، وہ تو اندر ہے، پھر پتہ کیسے چلتا ہے کہ فلاں کی طبیعت نرم ہے یا سخت؟

یاد رکھیں! طبیعت کی نرمی یا سختی چہرے سے نظر آتی ہے۔ گفتگو سے نظر آتی ہے، طرزِ عمل، behavior، conduct اور dealing سے نظر آتی ہے۔ جو چیزیں نظر نہیں آتیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں دیکھنے کے مظاہر بنائے ہیں۔ بات کرتے ہوئے الفاظ کا چناؤ ظاہر کرتا ہے کہ طبیعت میں نرمی ہے یا سختی۔۔۔؟ اگر لفظوں کے چناؤ میں ہی سختی ہے تو طبیعت سخت ہے اور اگر الفاظ کا انتخاب نرم ہے تو یہ طبیعت کی نرمی کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی طبیعت کے بیان کے لیے (فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ

وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ (آل عمران: ۱۵۹) نرم و لطیف حروف استعمال فرما کر اسی اصول کو بیان کیا ہے۔ پس ہم بولنے کے لیے جن الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں وہ ہماری طبیعت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح چہرے کے تاثرات اور ہماری آنکھیں بھی بولتی ہیں اور ہماری طبیعت کے بارے میں آگاہ کرتی ہیں۔

ہمارے ہاں اکثر پیر صاحبان ہر وقت غصے میں رہتے ہیں یا ان کے بیٹے غصے میں رہتے ہیں اور مریدوں کو جھڑکتے ہیں۔ وجہ پوچھی جائے تو کہا جاتا ہے کہ " پیر صاحب بڑے جلالی طبیعت کے ہیں۔" یہی عمل کوئی دوسرا کرے تو یہ "غصہ" ہے۔ پیر صاحب چونکہ عقیدت کی جگہ ہیں، اس لیے ان کے "غصہ" کو بھی "جلال" کا نام دے رکھا ہے۔ یہ جلال نہیں ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ پیر صاحب یا ان کے صاحبزادگان کی طبیعت کی تربیت نہیں ہوئی۔ اگر تربیت ہو جائے تو "جلال" نہیں رہتا بلکہ "جمال" آجاتا ہے۔ تربیت جلال کو جمال میں بدلنے کے لیے ہوتی ہے۔۔۔ غصہ کو معافی میں بدلنے کے لیے ہوتی ہے۔۔۔ تنگی کو وسعت میں بدلنے کے لیے ہوتی ہے۔۔۔ اور نفرت کو پیار میں بدلنے کے لیے ہوتی ہے۔

آقا ﷺ کی طبیعت مقدسہ کو قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اس طرح بیان کیا گیا ہے:

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۔ (التوبۃ، ۹: ۱۲۸)

"بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزو مند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔"

یعنی ہماری تکلیف اور دکھ رسول اکرم ﷺ کے لیے نہایت کرب کا باعث ہے۔ اگر ہم کسی اذیت میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ اذیت حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے شدید غم اور فکر کا باعث بن جاتی ہے لیکن اگر معاملہ آپ ﷺ کی اپنی ذات کا ہوتا تو آپ ﷺ کبھی پریشان نہ ہوتے۔ اپنی ذات کے دکھ اور مصیبت پر آپ ﷺ نے کبھی بے چینی یا اضطراب ظاہر نہ کیا لیکن اگر آپ ﷺ کا کوئی امتی دکھ میں ہوتا تو آپ ﷺ غمگین اور دل گرفتہ ہو جاتے۔ آپ ﷺ ہماری بھلائی اور فلاح کے لیے بے حد فکر مند اور حریص ہیں۔ آپ ﷺ اپنی ذات کی فکر نہیں کرتے بلکہ ہماری بھلائی کے لیے گہری فکر رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کی یہ شان صرف مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ آپ ﷺ کی

رحمت تمام انسانیت کے لیے عام ہے، جبکہ مومنوں پر آپ ﷺ کی شفقت اور رحمت سب سے زیادہ نمایاں اور خاص ہے۔

طبیعتِ محمدی ﷺ کے فیض کا حصول کیونکر ممکن ہے؟

مذکورہ آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اگر طبیعتِ محمدی کا فیض لینا ہے تو اپنا نہ سوچیں، اپنے احساسات کا نہ سوچیں بلکہ دوسروں کا سوچیں۔ ہم ہمیشہ اپنے احساسات کو دیکھتے ہیں کہ ”ہمارا کیا بنے گا“۔ ہم پوری زندگی اسی سوچ میں رہتے ہیں جبکہ آقا علیہ الصلاۃ والسلام کی طبیعت یہ ہے کہ آپ ﷺ دیکھتے کہ دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔ آپ ﷺ ہمیشہ دوسروں کی پریشانی اور مشکل کے ازالہ کے لیے فکر مند رہتے۔ تمام لوگوں کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کا فکر مندی پر مبنی یہ رویہ دوسروں کو عطا کرنے والا ایک عمل ہے۔ اگر ہماری طبیعت میں دوسروں کے لیے احساس پیدا ہو جائے، دوسروں کے لیے درد مندی پیدا ہو جائے اور ہم یہ دیکھنے لگیں کہ ہماری کسی بات سے دوسروں کے دل پر کیا گزری ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم نے طبیعتِ محمدی سے فیض پایا ہے۔

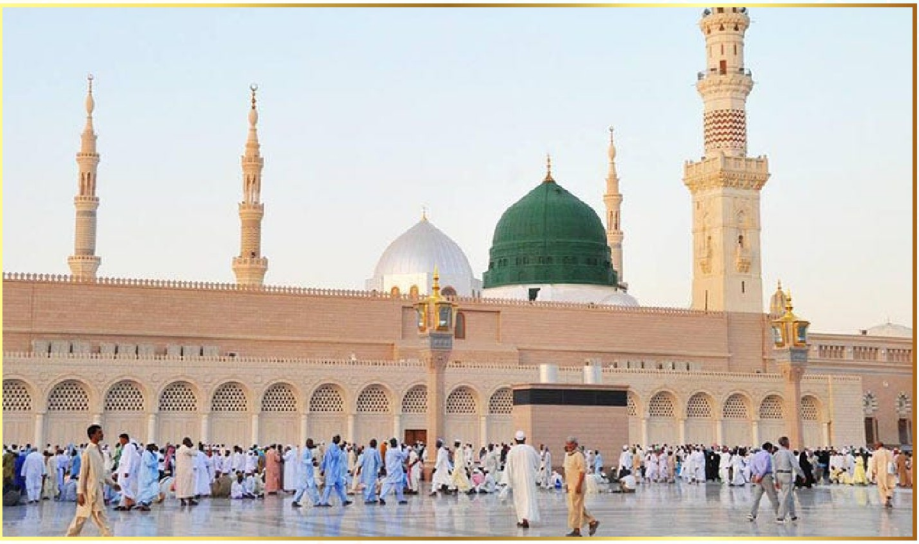

تصوف، معرفت اور اہلِ حق کے ہاں ایک مقام ''فتوۃ'' (generosity) ہے، جس کا معنی موافقت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس کے ساتھ دوستی ہو، جس کے ساتھ رشتہ ہو، چاہے میاں بیوی ہوں، دوست ہوں، یا بہن بھائی، اُن کی طبیعت ہر وقت ذہن میں رکھیں کہ ہماری کسی بات سے ان کی طبیعت پر ناگواری نہ ہو۔ اسی عمل اور رویہ کا حکم آپ ﷺ نے ہمیں دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لا یؤمن احد کم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔

(صحیح البخاری، کِتَاب الْإِيمَانِ، بَابُ مِنَ الإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ، ج:۱، ص:۱۴، رقم الحدیث:۱۳)

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ نہ چاہے، جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔“

یعنی اگر کوئی شخص اپنے لیے آرام چاہتا ہے تو دوسرے کو آرام دے۔۔۔ اپنے لیے عزت چاہتا ہے تو دوسرے کو عزت دے۔ اپنے عہدہ و منصب کو ذہن میں رکھ کر صرف اپنے لیے ہی عزت کو ہر وقت طلب نہ کرتا پھرے کہ عزت حاصل کرنا صرف میرا حق ہے بلکہ یہ سوچ دوسرے کے لیے بھی پیدا کرے کہ جو کچھ میں اپنے لیے چاہ رہا ہوں، وہ دوسروں کو بھی دوں۔ آقا ﷺ نے اسی ”میں“ کو ختم کروایا اور نرمی کی فضا پیدا کرنے کا حکم دیا ہے کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔

پس طبیعتِ محمدی ﷺ کا فیض حاصل کرنے کے لیے ہمیں دوسروں کے بارے میں سوچنا ہوگا اور اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دینا ہوگا۔ اسی سے ہم دوسروں سے بھلائی اور محبت کرنے والے ہوں گے۔ جتنا کوئی شخص دوسروں کی بھلائی کا سوچنے والا ہوگا اور اُن سے محبت کرنے والا ہوگا، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں معزز و محبوب ہوگا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی ”میں“ سے باہر نکلیں۔ جب ہم اپنی ”میں“ سے نکل جائیں گے تو ہماری طبیعت میں وسعت آجائے گی، بصورتِ دیگر ہم گھٹن میں رہیں گے اور گھٹن والا شخص کبھی دوسرے کے ساتھ اچھے تعلقات قائم نہیں کر سکتا۔ وہ ہمیشہ خود بھی مشکلات میں رہتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی مشکلات پیدا کرتا ہے۔ جب ہم اپنی طبیعت کو اس طرح بدل لیتے ہیں، تب شریعت کے احکام پر عمل کرنا تاثیر پیدا کرتا ہے۔

ہمیشہ دوسروں کی چاہت اور مزاج کا خیال رہے

فتوۃ میں ایک تصور موافقت ہے کہ دوسروں کی طبیعت، مزاج اور چاہت مدِ نظر رہے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔۔۔؟ جب ان کی چاہت اور مزاج کا پتہ چل جائے تو بندہ ہمیشہ ان کا خیال کرے، ان کا دل کو غمزدہ نہ کرے اور ان کے انتخاب کے مطابق ان سے معاملات طے کرے۔ لیکن یہ موافقت، ساتھ چلنا اور خواہش کا احترام کرنا، شریعت کے مقابل نہ ہو۔ اگر ایسا ہے تو ایسی موافقت درکار نہیں ہے۔ کوئی آدمی ظلم کرتا ہے، شراب، جوا، زنا وغیرہ جیسے گناہوں میں مصروف ہے تو اس کا ساتھ نہ

دیں۔ ان امور میں موافقت نہیں۔ اللہ کی نافرمانی میں فتوۃ نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ قابلِ موافقت ہے۔ دوسروں کی خواہش پر اپنی خواہش کو قربان کر دینا یہ فتوۃ اور موافقت ہے۔

اہلِ فتوۃ کا درجہ بلند ہوتا ہے۔ چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:

۱۔ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کو ایک صحابی نے کھانے کی دعوت دی۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ اس صحابی کے گھر تشریف لے گئے۔ میزبان نے خلوص و محبت سے تیار کیا گیا کھانا دستر خوان پر سجا دیا۔ آقا علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ کھانا تناول فرمانے لگے لیکن ایک صحابی نے کھانا کھانا شروع نہ کیا۔ آپ ﷺ نے وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ میں (نفلی) روزے سے ہوں۔ آقا ﷺ نے ان کا جواب سن کر فرمایا:

دَعَاكُمْ أَخُوكُمْ وَتَكَلَّفَ لَكُمْ ثُمَّ تَقُولُ: إِنِّي صَائِمٌ ؟ أَفْطِرْ ، ثُمَّ صُمْ يَوْمًا مَكَانَهُ إِنْ شِئْتَ۔ (الطبرانی، المعجم الاوسط، ج: ۳، ص: ۳۰۶، الرقم: ۳۲۴۰)

یہ کیسا روزہ ہے؟ ایک آدمی نے سارا دن محنت کر کے آپ کے لیے کھانا تیار کیا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں روزے سے ہوں۔ روزہ کو افطار کرو، کھانا کھاؤ اور بعد میں اس کی قضا کرو۔ یعنی یہ نفلی روزہ ہے اور دوسرے مسلمان کی خوشی کے لیے روزہ توڑ دینا عظمت ہے۔ یہی عظمت اصل میں فتوۃ اور، یہی اصل معرفت ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

أَلَا أُخْبِرُكم بمَن يَحْرُمُ على النَّارِ، وبمَن تَحْرُمُ عليه النَّارُ؟ على كلِّ قريبٍ هيِّنٍ سهْلٍ. (سنن ترمذی، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۲۴۸۸)

”کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ کون ہے جو آگ پر حرام ہے اور کس پر آگ حرام ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ شخص جو دوسروں کے قریب ہو، نرم خو ہو، آسان مزاج اور سہل ہو۔“

یعنی ان لوگوں پر دوزخ کی آگ حرام کر دی گئی ہے جو اپنی طبیعت میں دوسروں کے لیے اتنے آسان اور نرم ہیں کہ لوگ ان کے قریب ہونے میں لطف محسوس کرتے ہیں۔ جو دوسروں کے ساتھ ہمیشہ نرمی برتتے ہیں اور رحمدلی سے پیش آتے ہیں۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

يا بنيّ، أتدرون ما المروة؟ قالوا: لا. قال: المروة أن لا تعمل في السرّ شيئاً تستحي منه في العلانية، وأن تحسنَ صحبتَك، وتُلينَ كلامَك، وتُطْلِقَ وجهَك۔

(البیھقی، شُعب الایمان، رقم الحدیث: ۸۰۵۹، ج ۱۰، ص ۲۸۴)

"بیٹو! کیا تم جانتے ہو کہ مروّت (نیکی و بھلائی) کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مروّت یہ ہے کہ تم خفیہ طور پر ایسا کوئی کام نہ کرو جس پر علانیہ شرمندہ ہونا پڑے۔ اور مروت یہ ہے کہ اپنے ساتھ بیٹھنے والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اپنی گفتگو نرم رکھو اور دوسروں کے لیے اپنا چہرہ کھلا (یعنی مسکراتا) رکھو۔"

جسے یہ خوبیاں مل گئیں اسے نیکی عطا ہو گئی۔

احکامِ شریعت کا نفع اخلاقِ حسنہ سے ممکن ہے

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اعلیٰ چیز طبیعت کا خلق ہے۔ اگر یہ نہیں تو ہماری عبادات بھی ناکام ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَوَّلُ مَا تَفْقِدُونَ مِنْ دِينِكُمُ الأَمَانَةَ ، وَآخِرُ مَا تَفْقِدُونَ مِنْهُ الصَّلَاةَ (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الایمان والنذور، باب فی الأمانة، رقم: ۱۲۳۸۵)

"تمہارے دین میں سب سے پہلے جو چیز ضائع ہو گی، وہ امانت ہے اور سب سے آخر میں جو چیز ضائع ہو گی، وہ نماز ہے۔"

معلوم ہوا کہ نماز روزہ رکھ کر بھی وہ شخص اپنا دین ضائع کر بیٹھا جس میں امانت موجود نہیں۔

طبیعت میں اخلاق ہو تو شریعت بھی نفع دے گی اور اسی صورت شریعت پر عمل در آمد انسان کو بلند رتبہ پر پہنچائے گا۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الخُلُقُ الحسَنُ يُذِيبُ الخطايا كما يُذِيبُ الماءُ الجليدَ، والخُلُقُ السُّوْءُ يُفسِدُ العمَلَ كما يُفسِدُ الخَلُّ العسَلَ۔

(طبرانی، المعجم الکبیر، ج: ۱۰، ص: ۳۱۹، رقم الحدیث: ۱۰۷۷۷)

"اچھے اخلاق گناہوں کو اس طرح پگھلا دیتے ہیں، جیسے پانی برف کو پگھلا دیتا ہے اور برے اخلاق اعمال کو اس طرح بگاڑ دیتے ہیں جیسے سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔"

پس اگر ہماری طبیعت میں اچھے اخلاق پیدا ہو گئے، چہرہ مسکراتا ہوا ہو گیا، ہر وقت عفو در گزر کرنے والے ہو گئے اور طبیعت میں فتوۃ پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں اور گناہوں کو اس طرح ختم کر دے گا جس طرح پانی برف کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ طبیعت کا فیض ہے۔ اس کے برعکس اگر اخلاق برے ہیں، طبیعت سخت ہے، لوگوں سے غیض و غضب کا معاملہ کرتے ہیں، جلال سے بات کرتے ہیں

،لوگوں سے بھلائی نہیں کرتے، دل تنگ رکھتے ہیں، دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں، کنجوسی ہے اور ظاہر و باطن میں برائی ہے تو یہ برے اخلاق ہمارے نیک اعمال کو اس طرح برباد کردیں گے جیسے سرکہ شہد کو خراب کردیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔ (بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق)

”منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔“

اس حدیث مبارک سے واضح ہوگیا کہ خواہ کوئی شخص روزہ رکھے، نماز پڑھتا رہے، حج کرتا رہے، عمرے کرتا رہے، لیکن وہ جھوٹ بولتا ہے، وعدہ خلافی کرتا اور امانت میں خیانت کرتا ہے تو وہ منافق ہے۔ اگرچہ ساری شریعت پر عمل کرلیا مگر طبیعت نہ بدلے تو اس شخص کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اگر عبادت کا عمل بھی کرتے رہیں مگر طبیعت میں بخل، جھوٹ، خیانت، تنگی، تعصب، حسد، کبر، سختی اور بگاڑ ہے تو کچھ بھی نہیں۔

اگر طبیعت بدل گئی، طبیعتِ محمدی کا حسن مل گیا تو بدن مسجد بن جائے گا۔۔۔ پہلے وہ بت خانہ تھا، اب حسنِ اخلاق کے سبب وہ عبادت خانہ بن گیا۔۔۔ پہلے انسان شیطان تھا، اب بندۂ رحمن بن گیا۔۔۔ اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو کھول دیتا ہے۔۔۔ اس پر انوار و تجلیات اترتی ہیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے عرش کا فیض نازل ہوتا ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے قرب سے نوازتا اور طہارت اور پاکیزگی عطا کرتا ہے۔

پس ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی طبائع بدلیں، انھیں خوبصورت بنائیں اور ان میں عمدگی لائیں تاکہ شریعت کا فیض ملے اور شریعت کے انوار و فوائد نصیب ہوں۔ یہی حقیقتِ رفاقت ہے، اسے زندگی میں اپنائیں۔ ہمیشہ دوسروں کو اپنے اوپر مقدم رکھیں اور دوسرے کی طبیعت کو اپنی طبیعت پر ترجیح دیں، اسی سے اپنی طبیعت میں خیر آئے گی۔ اللہ رب العزت ہمارے حال پر کرم فرمائے اور ہمیں ایسی طبائع اور مزاج عطا کرے جن میں مزاجِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس نظر آئے تاکہ ہمیں حقیقی معنی میں احکامِ شریعت کا فیض اور نور نصیب ہوسکے۔

الفقہ

آپ کے فقہی مسائل

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیرِ نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا درست طریقہ کیا ہے؟

جواب: بعض لوگوں کو کمر، گھٹنوں یا ٹخنوں وغیرہ میں تکلیف ہوتی ہے اور آج کل بوجوہ یہ صورت عام ہے، چنانچہ وہ کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر نماز ادا کرتے ہیں، بعض مریض نہ کھڑے ہو سکتے ہیں، نہ رکوع و سجود صحیح طریقہ سے ادا کر سکتے ہیں، وجہ بڑھاپا ہو یا کمزوری یا جوڑوں یا کمر وغیرہ کا درد، بہر صورت معذوری کی وجہ سے جو کر سکتے ہیں کریں۔ عبادات کے وہ حصے جو ادا نہیں ہو سکتے، ان میں شرعاً رعایت ہے۔ دین اسلام میں نہ تنگی ہے نہ تکلیف، اس کی بنیاد یُسر (آسانی) پر رکھی گئی ہے، یہ سہولتیں اور رعایتیں شارع کی طرف سے ہیں۔ ان سے معذوروں کو کوئی بھی محروم نہیں کر سکتا۔ ہمارے پاس اس بارے میں کثرت سے سوالات آتے ہیں۔ اس لیے مسئلہ کی وضاحت کے لئے کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

مسئلہ کی دو صورتیں ہیں: ایک جائز، دوسری ناجائز۔

جائز صورت یہ ہے کہ معذور شخص کے سامنے پتھر، روڑا، لوہا، لکڑی وغیرہ سخت چیز ہو اور وہ اس پر سجدہ کرے، یہ بالکل جائز ہے۔ ناجائز صورت یہ ہے کہ پتھر، اینٹ تختہ اٹھا کر پیشانی کے قریب کرے اور اس پر سجدہ کرے۔ خواہ نمازی خود اٹھائے یا کوئی دوسرا۔ یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔

ان النبی ﷺ دخل علی مریض یعودہ فوجدہ یصلی کذلك فقال ان قدرت ان التسجد علی الارض فاسجد والا فاومِ براسك۔

نبی کریم ﷺ ایک بیمار کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے، دیکھا کہ وہ اسی طرح نماز ادا کرتا ہے۔ فرمایا: اگر زمین پر سجدہ کر سکتے ہو تو سجدہ کرو۔ ورنہ اپنے سر سے اشارہ کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ دیکھا کہ وہ نماز ادا کر رہے ہیں:

و یرفع الیه عود فیسجد علیه فنزع ذلك من ید من كان فی یده وقال هذا شئی عرض لكم الشیطان او م لسجودك.

لکڑی اٹھائی جاتی ہے اور وہ اس پر سجدہ کرتے ہیں۔ آپ نے اس شخص کے ہاتھ سے لکڑی چھین لی اور فرمایا، یہ چیز شیطان نے تمہیں پیش کی ہے۔ سجدہ کے لیے اشارہ کرو۔

فان فعل ذلك ینظر ان كان یخفض راسه للركوع شیئاً ثم للسجود ثم یلزق بجبینه یجوز، لوجود الایماء لا للسجود علی ذلك الشئی.

پھر اگر ایسا کر لیا تو دیکھا جائے گا، اگر مریض نے رکوع کے لئے اپنا سر کسی قدر جھکا لیا پھر سجدہ کے لیے جھکایا تو یہ جھکاؤ سجدہ کے لیے پورا ہو گیا۔ پھر اس لکڑی وغیرہ سے پیشانی چمٹا لیتا ہے، تو یہ جائز ہے کہ اشارہ پایا گیا، نہ کہ اس وجہ سے کہ اس چیز پر سجدہ ہو گیا۔

اگر تکیہ زمین پر رکھا ہے اور آدمی اس پر سجدہ کرتا ہے تو اس کی نماز درست ہے، اس حدیث پاک کی وجہ سے کہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے،

كانت لتسجد علی مرفقة موضوعة بین یدیها لرمد بها ولم یمنعها رسول الله ﷺ۔

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ میں تکلیف تھی، اپنے آگے رکھے ہوئے لکڑی کے تخت پر سجدہ کرتی تھیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔

یونہی تندرست آدمی شہر سے باہر سواری پر ہو اور کسی عذر کی بنا پر نیچے نہ اتر سکے، مثلاً دشمن کا خوف، یا درندے کا ڈر، یا کیچڑ گارے کی وجہ سے تو سواری پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کرے، نہ رکوع کرے، نہ سجود۔ اس لیے کہ معذوری کی ان صورتوں میں نہ رکوع کر سکتا ہے نہ قیام نہ سجود۔ یہ تمام صورتیں ایسی ہیں جیسے بیماری کی معذوری۔

حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر اشارہ سے نماز ادا فرماتے تھے، اور رکوع کی نسبت سجدہ کے لیے زیادہ جھکتے تھے۔ (علامہ الکاسانی، بدائع الصنائع، ۱: ۱۰۸)

☆ علامہ ابن العابدین الشامی لکھتے ہیں:

ان كان ذلك الموضوع یصح السجود علیه كان سجودا و الا فایماء.

اگر معذور نمازی کے آگے رکھی ہوئی چیز پر سجدہ درست ہے تو یہ سجدہ ہوگا۔ ورنہ اشارہ ہو جائے گا۔(شامی، ۲: ۹۸)، (علامہ ابن نجیم حنفی مصری، البحر الرائق، ۲:۱۱۳)

☆ عبدالرحمن الجزیری لکھتے ہیں:

یکرہ لمن فرضہ الایماء ان یرفع شیئاً یسجد علیہ، فلوفعل و سجد علیہ یعتبر مومیا فی ھذہ الحالۃ.

جس پر اشارہ سے نماز ادا کرنا فرض ہے (یعنی معذور) اس کے لیے کسی چیز کو اٹھا کر اس پر سجدہ کرنا مکروہ ہے، اگر ایسا کیا اور اس پر سجدہ کرلیا تو اس حال میں اشارہ کا اعتبار ہوگا۔

(علامہ عبدالرحمن الجزیری، الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، ۱: ۵۰۰)

☆ اذا لم یستطع فلہ ان یصلی بالکیفیۃ التی تمکنہ.

جب معمول کے مطابق نماز ادا کرنے کی طاقت نہ ہو، تو جس حال میں ممکن ہو ادا کر سکتا ہے۔

(الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، ۱: ۴۹۸)

بعض سپیشل کرسیوں پر بیٹھنے کے ساتھ سجدہ کرنے کی تختی بھی لگی ہوتی ہے جس پر معذور سجدہ کے لیے پیشانی رکھتے ہیں، اگر اللہ کریم کی بارگاہ میں یہ سجدہ وضع الجبھۃ علی الارض کے حکم میں قبول ہوگیا۔ یعنی سجدہ نام ہے، زمین پر پیشانی رکھنے کا، تو تبھی نماز درست ہوگی۔ نہیں تو اشارہ تو پایا گیا، پھر بھی نماز درست ہوگی۔ اسے ناجائز کہنا کسی صورت درست نہیں۔ نہ لڑائی جھگڑا اور سختی کرنے کی شرعاً گنجائش۔

صف کی ترتیب بھی شرعی عذر کی وجہ سے برقرار نہیں رہ پاتی۔ جس طرح شرعی عذر کی وجہ سے معذور پر فرائض یعنی قیام، رکوع اور سجدہ ساقط ہو جاتے ہیں، عین اسی طرح ترتیب بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ معذور کی ترتیب درست رکھنے کی کوشش کی جائے تو پچھلی صفیں خراب ہوتیں ہیں۔ اس لیے معذور اپنی ترتیب قائم نہ بھی رکھ پائے اس پر معاف ہے۔ مقصد ہے کہ جو شخص جس فرض کی ادائیگی کر سکتا ہے وہ اسے بلا عذر نہ چھوڑے۔ خواہ صف کی ترتیب خراب بھی ہو جائے کوئی حرج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا. (البقرۃ، ۲: ۲۸۶)

اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا

ایک اور مقام پر فرمایا:

مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ. (الحج، ۲۲: ۷۸)

اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

بشروا ولا تنفروا، ویسروا ولا تعسروا، سکنوا. متفق علیہ.

لوگوں کو خوشخبری سنایا کرو(ڈرا ڈرا کر اسلام سے) متنفر نہ کرو۔ اور آسانیاں پیدا کیا کرو، سختی پیدا نہ کرو۔ سکون دیا کرو۔

سوال: قضا نمازوں کی ادائیگی کیسے ممکن ہے؟

جواب: اگر کسی شخص نے بلوغت کے کافی عرصہ گزر جانے کے بعد نماز پڑھنا شروع کی ہو یا کبھی پڑھتا ہو اور کبھی چھوڑ دیتا ہو تو اس پر لازم ہے کہ زندگی سے متعلقہ ضروری کاموں کے علاوہ سب کام چھوڑ کر نمازوں کی قضا شروع کر دے۔ وہ اس وقت تک قضاء نمازیں ادا کرتا رہے جب تک اس کے غالب گمان کے مطابق تمام قضا نمازیں ادا نہ ہو جائیں۔ اگر اس دوران اس کو موت آ گئی تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ اس کی بخشش ہو جائے گی۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

”اور جو شخص بھی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے پھر اسے (راستے میں ہی) موت آ پکڑے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا، اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔“ (النساء، ۴: ۱۰۰)

اور اگر کوئی شخص ایسا نہ کر سکے تو اس سے کم درجہ یہ ہے کہ ہر نماز کے ساتھ ایک یا جس قدر ممکن ہو، قضا نماز پڑھتا رہے، قضا نمازوں کے صرف فرائض اور وتر ادا کرے۔

مثلاً پورے دن کی قضا نمازیں ادا کرنی ہوں تو پھر کل بیس رکعات اس طرح ادا کرے دو فرض فجر، چار فرض ظہر، چار فرض عصر، تین فرض مغرب، چار فرض عشاء بمع تین وتر۔ اس طرح نیت کرے: ”میں اپنی گذشتہ فجر (جو نماز ادا کر رہا ہے، اس کا نام لے) کو ادا کرنے کی نیت کرتا ہوں جس کا میں نے وقت پایا اور ادا نہیں کی۔“ ہر قضاء نماز کی اسی طرح نیت کرے یعنی دل میں ارادہ کرے، زبان سے کہنا بہتر ہے، ضروری نہیں۔

صاحب ترتیب کے لیے ضروری ہے کہ اگر اس کی کوئی نماز رہ جائے تو وہ پہلے اُس نماز کی قضاء پڑھے گا، پھر اگلی نماز ادا کرے گا۔ ایسا شخص جس کی بالغ ہونے کے بعد زندگی میں کبھی بھی اکٹھی چھ یا چھ سے زائد نمازیں قضاء نہ ہوئی ہوں، صاحب ترتیب کہلاتا ہے۔ جب بھی اکٹھی چھ یا چھ سے زائد قضاء ہو جائیں پھر وہ صاحب ترتیب نہیں رہے گا۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں:

جس شخص کی نماز فوت ہوگئی تو اس کو جب یاد آئے قضا کرے اور اسے فرض وقتی پر مقدم کرے۔ اور ہمارے (یعنی احناف کے) نزدیک اصل میں قضاؤں اور فرض وقتی کے درمیان ترتیب رکھنا ضروری ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ترتیب مستحب ہے۔ ان (امام شافعی) کی دلیل یہ ہے کہ ہر فرض بذات خود اصل ہے، وہ دوسرے کے لئے شرط نہ ہوگا۔ ہماری (احناف کی) دلیل آقا ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جو شخص نماز کے وقت سو گیا یا بھول گیا اور اُس کو یاد اُس وقت آیا جب وہ امام کے ساتھ دوسری نماز پڑھ رہا ہو، تو یہ پڑھ لے جس میں موجود ہے، پھر وہ پڑھے جو اسے یاد آئی ہے پھر اس کو دوبارہ پڑھے جو امام کے ساتھ پڑھی ہے۔

اگر وقت نکل جانے کا خوف ہو تو وقتی نماز کو پہلے پڑھے، پھر فوت ہونے والی کو قضاء کرے۔ کیونکہ وقت کی تنگی، بھول جانے اور فوت شدہ (نمازوں) کی کثرت سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے، تاکہ اس کی وجہ سے وقتی نماز فوت نہ ہو جائے۔ اگر اس شخص نے تنگی وقت کے باوجود فوت شدہ کو پہلے پڑھ لیا تو جائز ہے کیونکہ فوت شدہ کو ایسی حالتِ تنگی میں پہلے پڑھنے کی جو ممانعت ہے اس کی وجہ اور ہے۔ بر خلاف اس کے جب کہ وقت میں وسعت ہو اور اس نے وقتی نماز کو مقدم کر دیا تو یہ جائز نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس نے وقتی (نماز) کو اس کے وقت سے پہلے ادا کیا جو حدیث سے ثابت ہے۔

اگر کسی کی کئی نمازیں فوت ہو گئی ہوں تو قضاء کرتے وقت ان کو ترتیب وار قضاء کرے، جیسے اصل میں واجب ہوئیں۔ کیونکہ آقا ﷺ جنگ خندق کے دن چار نمازوں میں مصروف رہے تو آپ ﷺ نے اُن کو ترتیب وار قضاء کیا۔ پھر فرمایا:

جیسے تم مجھے پڑھتا دیکھ رہے ہو اسی طرح تم بھی پڑھو۔

ہاں اگر فوت شدہ نمازیں چھ سے زائد ہو جائیں تو پھر ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ جیسے فوت شدہ اور وقتی نماز کی ترتیب ختم ہو جائے گی۔ حد کثرت یہ ہے کہ چھ نمازیں قضاء ہو جائیں یعنی چھٹی نماز کا وقت نکل جائے اور یہی جامع صغیر میں ہے۔ اگر اس سے دن رات کی نمازوں سے زیادہ فوت ہو گئیں تو جائز ہو جائے گی وہ نماز جس سے ابتداء کی تھی کیونکہ جب ایک دن رات پر زیادہ ہوئیں تو چھ ہو جائیں گی۔ اور امام محمد رحمہ اللہ سے یہ بھی روایت ہے کہ چھٹی کا وقت شروع ہوتے ہی ترتیب ختم ہو جائے گی۔ قولِ اوّل ہی صحیح ہے۔ کیونکہ کثرت تو حد تکرار میں داخل ہونے سے ہوتی ہے اور یہ پہلے قول پر ہوگا۔

(ابو حسن علي بن ابي بكر المرغيناني، الهداية شرح البداية، ۱: ۷۲، ۷۳)

لہٰذا صاحب ترتیب کے لیے قضاء نماز کو پہلے پڑھنا ضروری ہے کہ وہ پہلے قضاء کرے اور پھر وقتی نماز پڑھے یعنی نمازوں کی ترتیب قائم رکھے اور جس کی اکٹھی چھ نمازوں سے زیادہ قضاء ہو جائیں تو اس کے لئے یہ پابندی نہیں ہے

اُمتِ مسلمہ کا نظامِ حیات: اعتدال اور میانہ روی

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (البقرہ:۱۴۳)

’’اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو۔‘‘

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے لفظ ’’وسط‘‘ کو امتِ مسلمہ کی خوبی، خصلت اور وصف کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ وسط کا مطلب: اعتدال، خیر خواہی، توازن، میانہ روی اور عدل ہے۔ اس لفظ میں کیا خوبیاں پنہاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے آقائے دو عالم ﷺ کی امت میں منتقل فرمانا چاہا؟ اس امر کو جاننے کے لیے ہمیں لفظ ’’وسط‘‘ کا معنی پر غور کرنا ہوگا۔ لسان العرب میں ابن منظور افریقی کے مطابق وسط کے معنی ہیں:

وسط الشیء وأوسطه: أعدله۔

(افریقی، لسان العرب، ج:۷، ص:۴۳۰)

’’کسی شے کا وسط یا اُس کا اوسط حصہ دراصل اُس کا عادل ترین حصہ ہوتا ہے۔‘‘

یعنی سب سے زیادہ عدل وانصاف پر مبنی، سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والی اور سب سے زیادہ خیر رکھنے والی شے کو ''وسطیہ'' کہتے ہیں۔

☆ قرآنِ مجید میں ''وسط'' کا لفظ درج ذیل پانچ مقامات پر آیا ہے:

ا۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ۔ (القلم: ۲۸)

'' ان کے ایک عدل پسند زِیرک شخص نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم (اللہ کا) ذِکر و تسبیح کیوں نہیں کرتے۔''

اس آیت میں لفظ ''اوسط'' استعمال ہوا ہے۔ یعنی وہ شخص جو عقل، رائے، فہم، سوچ اور ارادے میں سب سے زیادہ پختہ، بہتر اور سب سے زیادہ بصیرت رکھنے والا ہو۔ یہ خوبی اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آئی کہ فرمایا: ان میں سے اوسط شخص نے یہ بات کہی کہ آج تو عذاب اور تباہی آن پہنچی، تم اللہ کے عذاب کی زد میں آگئے ہو مگر تمہیں یاد نہیں کہ میں تمہیں بار بار نصیحت کیا کرتا تھا کہ اللہ کا ذکر کرو، اس کی تسبیح کرو، اسے یاد رکھو اور اس سے ڈرتے رہو۔ معلوم ہوا وسطیہ یعنی اعتدال، میانہ روی اور توازن وہ صفت ہے جو راہِ ہدایت کی طرف بلاتی ہے۔ جو شخص متوازن سوچ کا حامل ہو، وہی نصیحت کرنے والا ہوتا ہے اور وہی صحیح سمت کی طرف لے کر چلنے والا ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت اسی اعتدال پسندی، میانہ روی اور سوچ و فہم کا توازن، ہماری پوری زندگی میں جھلکتا دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ امتِ مسلمہ کا نظامِ حیات اسی اعتدال و توازن کا مظہر ہو۔ یعنی ہماری شخصیت متوازن ہو۔۔۔ ہماری سوچ متوازن ہو۔۔۔ ہمارا طرزِ عمل اور طرزِ زندگی متوازن ہو۔۔۔ سوچنے اور سمجھنے کا انداز متوازن ہو۔۔۔ ہمارا چلنا، پھرنا، رہنا سہنا، الغرض زندگی کا ہر پہلو وسطیہ کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ یہاں تک کہ ہمارے لین دین اور مالی معاملات میں بھی وسطیہ کی خوبی جھلکتی نظر آنی چاہیے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔ (الفرقان: ٦٧)

'' اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا (زیادتی اور کمی کی) ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہے۔''

یعنی اللہ کے بندے خرچ کرنے میں فضول خرچی اور بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ خرچ میں بھی اعتدال رکھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت کو زندگی کے ہر پہلو میں اعتدال اور توازن پسند ہے، خواہ وہ عقیدہ ہو، عبادت ہو، اخلاق ہو، معاملات ہوں، یا مالی لین دین۔ آج اگر ہم اپنی قوم، ملت

اور نوجوان نسل کو کسی ایسی چیز سے مزین کرنا چاہیں جو انہیں زیورِ ایمان اور زیورِ حیات عطا کرے، تو وہ یہی وسطیت، اعتدال اور توازن ہے۔

۲۔ قرآنِ مجید میں اللہ رب العزت نے لفظ ''وسط'' کو ایک اور مقام پر استعمال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا۔ (العادیات: ۵)

''پھر وہ اسی وقت (دشمن کے) لشکر میں گھس جاتے ہیں۔''

یہاں ''فَوَسَطْنَ'' کا مطلب کسی معاملے کے بیچ میں جانا، مرکز میں پہنچنا اور براہِ راست، تیز اور فیصلہ کن انداز میں اقدام کرنا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ ''وسط'' کو اسم کے طور پر استعمال کرتے ہوئے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ (البقرہ: ۱۴۳)

''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا۔''

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرہ: ۲۳۸)

''سب نمازوں کی محافظت کیا کرو اور بالخصوص درمیانی نماز کی۔''

اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازوں؛ فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء میں سے نمازِ عصر کو درمیان میں رکھا اور اسے وسطیت کا مقام دیا۔ دوسرے مقام پر اسی کی قسم کھا کر فرمایا:

وَالْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ (العصر: ۱-۲)

''نمازِ عصر کی قسم (کہ وہ سب نمازوں کا وسط ہے)۔ بے شک انسان خسارے میں ہے (کہ وہ عمرِ عزیز گنوا رہا ہے)۔''

اللہ رب العزت نے جس عصر کی قسم کھائی، اسے نمازوں کے درمیان میں رکھا ہے۔ عصر کا وقت بھی درمیانہ وقت ہے۔ جب عصر آتی ہے تو وہ وقت نہ زیادہ دھوپ والا ہوتا ہے، نہ اندھیرا۔ گرمی کے اثرات ختم ہو رہے ہوتے ہیں اور ٹھنڈک کے اثرات شروع ہو رہے ہوتے ہیں۔ گویا عصر کا وقت میانہ ہے اور تمام رنگوں کو اپنے اندر سمیٹے رکھتا ہے۔ نہ کسی کو دھوپ میں جلاتا ہے اور نہ اندھیرے میں چھپاتا ہے۔ نہ اتنی روشنی دیتا ہے کہ آنکھیں چندھیا جائیں اور نہ اتنا اندھیرا دیتا ہے کہ کچھ دکھائی نہ دے۔

اللہ رب العزت نے صلوۃ الوسطیٰ کے مقام پر عصر کو رکھا اور اس کی قسم کھائی اور پیغام دیا کہ اگر عصر یعنی اعتدال، میانہ روی اور زندگی کی Balanced Approach کو ہاتھ سے جانے دیا اور

اپنی میانہ روی کی حفاظت نہ کر سکے تو خسارے میں رہو گے۔

۵۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے لفظ ’’وسط‘‘ استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ۔۔۔ (المائدۃ:۸۹)

’’(اگر تم سنجیدہ اور ارادی طور پر مضبوط قسم کو توڑ ڈالو) تو اس کا کفّارہ دس مسکینوں کو اوسط (درجہ کا) کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا (اسی طرح) ان (مسکینوں) کو کپڑے دینا ہے۔۔۔‘‘

اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں قسم توڑنے کا کفارہ بیان فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک کفارہ یہ ہے کہ جس طرح کا کھانا تم اپنے گھر والوں کو دیتے ہو، ویسا ہی متوازن کھانا ان مسکینوں کو بھی دو۔ گویا اللہ رب العزت اپنے بندوں کو مختلف طریقوں سے سمجھاتا ہے تاکہ بات دل میں اتر جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان سمجھ لے کہ حقیقت، کامیابی اور منزل سب میانہ روی میں ہے۔ اطعام الطعام میں بھی وسطیہ کا رنگ ہے۔ یعنی کھانے میں بھی میانہ روی ہونی چاہیے۔

اس کا مطلب ہے کہ اگر ہم ہر شے میں اوسط درجے کو اختیار کرلیں تو خیر ہی خیر ہو جائے۔ کھانے میں اوسط درجہ، سوچ میں اوسط درجہ، فکر میں اوسط درجہ، انداز میں اوسط درجہ، اوڑھنے بچھونے میں اوسط درجہ۔ اسی طرزِ فکر و عمل سے تو ہماری معیشت (Economy) بھی ہمارے کنڑول میں آسکتی ہے۔

قرآن مجید میں ’’وسط‘‘ کے ہم معنی الفاظ

قرآن مجید میں وسطیہ کے ہم معنی الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

ا۔ صراطِ مستقیم سے مراد بھی میانہ روی ہے۔ سیدھا راستہ وہی ہوتا ہے جو اعتدال کا راستہ ہو، خیر، ثابت قدمی اور استقامت کا راستہ ہو اور جو غلو سے پاک ہو۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (النور:۴۶)

’’اور اللہ (ان کے ذریعے) جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرمادیتا ہے۔‘‘

معلوم ہوا کہ سیدھی راہ انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو میانہ روی، اعتدال اور عدل کو اپنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ جن کی طبیعت میں غلو، شدت پسندی، افراط و تفریط نہیں ہوتی، انتہا پسندی نہیں ہوتی بلکہ وہ میانہ روی کے ساتھ صراطِ مستقیم پر چلتے رہتے ہیں اور اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔ یاد رکھیں! جہاں اعتدال ہے، وہیں صراطِ مستقیم ہے اور جہاں صراطِ مستقیم ہے، وہاں میانہ روی

ہے۔ دوسری طرف جہاں ظلم، زیادتی، جبر، انتقام اور استحصال ہو، وہاں صراطِ مستقیم نہیں ہو سکتا۔

۲۔ قرآنِ مجید میں ''وسطیہ'' کے مفہوم میں ایک لفظ ''سداد'' آیا ہے۔ درست بات کہنے کو ''سداد'' کہا جاتا ہے۔ وہ شخص جو ہر حال میں سچی، سیدھی اور حق پر مبنی بات کرے، وہ صاحبِ سداد کہلاتا ہے اور یہی شخص در حقیقت اعتدال پسند اور میانہ روی والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۔

'' اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور صحیح اور سیدھی بات کہا کرو۔'' (الاحزاب: ۷۰)

۳۔ قرآنِ مجید میں ''وسطیہ'' کے لیے تیسرا اہم معنی لفظ ''اقتصاد'' (Economics) استعمال ہوا ہے۔ اقتصاد بھی دراصل میانہ روی اختیار کرنے کا نام ہے۔ اسی لیے کسی متوازن رویے کو Economical Approach کہا جاتا ہے۔ آج کل معاشی لحاظ سے افراط ہے یا تفریط۔ خرچ ہمارے کنٹرول میں ہے، یا پھر ہماری حدود و قیود سے باہر نکل چکا ہے۔ مہنگائی بڑھ گئی ہے اور اخراجات قابو سے باہر ہو گئے ہیں۔ ہمارے مالی معاملات ہمارے کنٹرول میں نہیں رہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کا حل کیا ہے؟ اس کا حل اقتصاد ہے۔ اقتصاد یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو اکنامیکل (Economical) بنا لیں۔۔۔ اپنی سوچ کو اکنامیکل کر لیں۔۔۔ اپنی عادات کو اکنامیکل کر لیں۔۔۔ اپنے اخراجات کو اکنامیکل کر لیں۔۔۔ مطلب یہ کہ اپنے آپ کو اقتصادیات کے تابع کر دیں۔ اقتصادیات میانہ روی کو کہتے ہیں۔ اپنے کھانے پینے، اخراجات، معاملات، خواہشات، حالات اور اپنی پوری زندگی کے نظام کو میانہ روی کے تابع کر لیں تو حالات درست ہو جائیں گے۔ اس طرح مہنگائی بھی ہمارے کنٹرول میں آ جائے گی، گھر والوں کا مزاج بھی ٹھیک ہو جائے گا اور بچوں کی ضروریات بھی پوری ہو جائیں گی۔ اگر

کوئی شاہ خرچی کرے گا تو وہ میانہ روی والا نہیں اور اگر کنجوسی کرے گا تو وہ بھی میانہ روی والا نہیں لیکن اگر درمیانہ راستہ اختیار کرے گا تو وہی میانہ روی والا ہے۔

اسی طرح چلنے پھرنے میں بھی میانہ روی اور گفتگو میں بھی میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم اکثر اتنے بلند و بانگ دعوے کرتے ہیں کہ پھر ان پر پورا اترنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات ہیں کہ اپنی چال میں بھی میانہ روی رکھیں اور اپنی قول، فعل اور سوچ میں بھی میانہ روی رکھیں۔ سیدنا لقمان علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو جو نصیحت کی، قرآنِ مجید نے اسے ان الفاظ میں بیان فرمایا: وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ۔ (لقمان: ۱۹)

”اور اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر۔“

اس آیت کا ظاہری معنی تو چلنے میں میانہ روی اختیار کرنا ہے لیکن اشارۃ النص یہ ہے کہ اپنی پوری زندگی کی گاڑی میانہ روی سے چلاؤ۔ اپنی زندگی کا پہیہ میانہ روی پر گھماؤ تو ہر شے تمہارے کنڑول میں آ جائے گی۔ اگر سوچ میں میانہ روی ہو تو سوچ قابو میں رہے گی۔۔۔ فلسفے میں میانہ روی ہو تو فلسفہ قابو میں رہے گا۔۔۔ معاملاتِ حیات میں میانہ روی ہو تو معاملات ہمارے ہاتھ میں آ جائیں گے۔۔۔ خواہشات میں میانہ روی ہو تو خواہشات قابو میں رہیں گی۔۔۔ اپنے مقاصد، نظریات، معاملات اور دعوؤں میں میانہ روی رکھیں تو حالات ہمیشہ کنڑول میں رہیں گے۔

اعتدال و توازن اختیار کرنے والوں کی صفات

قرآنِ مجید میں وسطیہ یعنی اعتدال و میانہ روی اختیار کرنے والوں کی درج ذیل صفات اور خوبیاں بیان ہوئی ہیں:

(۱) پیکرِ عدل

جو شخص وسطیہ کا حامل ہے، اس میں عدل ضرور ہوتا ہے۔ جس کے پاس Balanced Approach ہے، وہ شخص عادل ہوتا ہے۔ جس کے اندر میانہ روی اور اقتصاد ہے، وہ ظالم نہیں ہو سکتا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل: ۹۰)

”بے شک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے۔“

یعنی اپنے مزاج، سوچ، طبیعت، میلان، حالات اور طرزِ حیات اور زندگی کے ہر قدم پر عدل کو شامل کرو۔ عدل ایک ہی نوعیت کا نہیں ہوتا۔ اللہ ربّ العزت نے گواہی، گفتگو اور حکومت میں بھی

عدل کو لازم قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عدل کی درج ذیل اقسام قرآنِ مجید میں بیان فرمائیں تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ عدل ہے اور وہ عدل نہیں:

(i) العدل فی الشهادة

اللہ رب العزت نے فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۔ (النساء: ۱۳۵)

”اے ایمان والو! تم انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے (محض) اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو جاؤ خواہ (گواہی) خود تمہارے اپنے یا (تمہارے) والدین یا (تمہارے) رشتہ داروں کے ہی خلاف ہو اگرچہ (جس کے خلاف گواہی ہو) مال دار ہے یا محتاج، اللہ ان دونوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے۔ سو تم خواہشِ نفس کی پیروی نہ کیا کرو کہ عدل سے ہٹ جاؤ (گے) اور اگر تم (گواہی میں) پیچ دار بات کرو گے یا (حق سے) پہلو تہی کرو گے تو بے شک اللہ ان سب کاموں سے جو تم کر رہے ہو خبردار ہے۔“

یعنی اگر تمہیں اپنے والدین یا رشتہ داروں یا معاشرے کے بااثر افراد کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے تو عدل سے کام لینا۔ عدل کرنے والا یہ نہیں دیکھتا کہ میرے سامنے کون ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھتا ہے اور اسی کے حکم کو سامنے رکھتا ہے۔ پس جس کی گواہی میں عدل ہے، وہی درحقیقت عادل ہے۔

(ii) العدل فی القول

اسی طرح ہم جو گفتگو کرتے ہیں، اس میں بھی عدل کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی۔ (الانعام: ۱۵۲)

”اور جب تم (کسی کی نسبت کچھ) کہو تو عدل کرو اگرچہ وہ (تمہارا) قرابت دار ہی ہو۔“

یعنی جب بھی کسی کے بارے میں کچھ کہو تو عدل سے کہو، گفتگو ہمیشہ سچائی اور انصاف پر مبنی ہو، خواہ تمہارے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے میثاقِ مدینہ میں فرمایا تھا:

وان المومنين المتقين ايديهم على كل من بغى منهم او ابتغى دسيعة ظلم او اثما او عدوانا او فسادا بين المومنين وان ايديهم عليه جميعا ولو كان ولد احدهم (میثاقِ مدینہ، آرٹیکل: ۱۶)

اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا استحصال بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے یا ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے، سب مل کر ایسے شخص کے خلاف اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ ربّ العزت کے مذکورہ فرمان اور آپ ﷺ کی حدیثِ مبارک سے العدل فی القول کا ثبوت میسر آتا ہے کہ اگر تمہارے قریبی رشتہ دار بھی سامنے ہوں، تب بھی عدل کا پیمانہ لبریز نہیں ہونا چاہیے۔ آج ہمارے ہاں کیا ہو رہا ہے۔۔۔؟ نوجوانوں کی سوچ میں عدل کیوں نہیں رہا۔۔۔؟ میانہ روی اور عادلانہ طرزِ فکر کیوں ختم ہو گئی۔۔۔؟ ہم امتِ شُهَدَاءَ عَلَى النَّاس کیوں نہیں رہے۔۔۔؟ اس لیے کہ ہم نے عدل کا دامن چھوڑ دیا۔ آج ہم سوچ میں بھی عادل نہیں۔ ہم حق چاہتے ہیں، مگر جب حق سامنے آتا ہے تو کہہ دیتے ہیں یہ نہیں، وہ والا مل جائے۔ جب خود پھنسیں تو قانون کچھ اور ہوتا ہے، جب دوسرا پھنسے تو کچھ اور۔ اپنے رشتہ داروں کے لیے قانون بدل دیتے ہیں، اور دوسروں کے لیے دوسرا معیار رکھتے ہیں۔ اگر خود متاثر ہوں تو قانون ختم اور اگر فائدہ ہو تو قانون مضبوط۔ یہی وجہ ہے کہ حکومتی اور قومی سطح پر بھی جب سیاستدانوں کو اپنی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو وہ آئین و قانون میں بھی ترامیم کر لیتے ہیں۔

(iii) العدل فی الحکم

عدل کی تیسری صورت العدل فی الحکم ہے، یعنی حکم یا فیصلے میں عدل۔ عدل دراصل وسطیت کا جزو ہے اور اعتدال پسندی اُس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک ہم اپنے فیصلوں میں عدل کو شامل نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ۔ (النساء:۵۸)

”اور جب تم لوگوں پر حکومت کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کیا کرو (یا: اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو)۔“

آج ہمارے فیصلوں میں بھی عدل نہیں رہا، بلکہ عدل خود یتیم ہو گیا ہے۔ جس معاشرے میں عدل یتیم ہو جائے، وہاں کے نوجوانوں کا حال کیا ہو گا؟ ہمیں چاہیے کہ ان خوبیوں کو دوبارہ زندہ کریں۔ اگر دوسروں کے لیے عدل ہو اور اپنے لیے پیمانے بدل جائیں، تو وہ میانہ روی نہیں۔

(۲) پیکرِ استقامت

اعتدال و توازن اور وسطیت اختیار کرنے والوں کی دوسری خوبی ”استقامت“ ہے۔ اگر ہم اپنی طبیعت میں اعتدال، میانہ روی، balanced approach اور Moderation پیدا

کرنا چاہتے ہیں تو استقامت ضروری ہے۔ استقامت یہ ہے کہ انسان اپنی منزل پر ایسے رواں دواں رہے کہ آندھی، کوئی طوفان، یا ظلم و بربریت اسے متزلزل نہ کر سکے۔ یہی استقامت منہاج القرآن کی اساس ہے۔ میانہ روی استقامت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ جس میں استقامت نہ ہو، وہ متمکن نہیں بلکہ متلون ہوتا ہے۔ متلون وہ ہے جو ہر لمحے اپنا رنگ بدل لے۔ جو ایک رنگ پر جم جائے، اسی پر قائم رہے، اسی پر جیئے اور اسی پر مرے، وہ مستقیم کہلاتا ہے، اور وہی ”وسطیہ“ والا ہوتا ہے۔ اسی استقامت کے اجر کو اللہ تعالیٰ نے یوں واضح فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ۔ (حم السجدہ: ۳۰)

”بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ (اس پر مضبوطی سے) قائم ہو گئے، تو اُن پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور تم جنت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَّاَنۡ لَّوِ اسۡتَقَامُوۡا عَلَی الطَّرِیۡقَۃِ لَاَسۡقَیۡنٰہُمۡ مَّآءً غَدَقًا۔

”اور یہ (وحی بھی میرے پاس آئی ہے) کہ اگر وہ طریقت (راہِ حق، طریقِ ذِکرِ الٰہی) پر قائم رہتے تو ہم انہیں بہت سے پانی کے ساتھ سیراب کرتے۔“ (الجن: ۱۶)

یعنی جو راہِ حق اور اپنے منہج پر قائم رہتا ہے اور پیکرِ استقامت رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی نعمتوں سے سیراب فرماتا ہے جن کا اسے اندازہ بھی نہیں ہوتا۔ پس میانہ روی والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیکرِ استقامت بن جائے۔ آج اعتدال اور استقامت کی اس خوبی کو نوجوانوں کو اپنے اندر پیدا کرنا ہوگا۔ منہاج القرآن دراصل اسی اعتدال، میانہ روی، عدل، حکمت، استقامت، توازن، محبت اور فکرِ آخرت کے پیغام کو عام کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا:

فَاسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ وَمَنۡ تَابَ مَعَکَ وَلَا تَطۡغَوۡا۔ (ہود: ۱۱۲)

”پس آپ ثابت قدم رہیے! جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی (ثابت قدم رہے) جس نے آپ کی معیت میں (اللہ کی طرف) رجوع کیا ہے، اور (اے لوگو!) تم سرکشی نہ کرنا۔“

(جاری ہے)

الحادی رجحانات کے فروغ کے عوامل اور اثرات

ڈاکٹر محمد ممتاز الحسن باروی

عصرِ حاضر میں الحاد صرف نظریاتی افکار کا نام نہیں رہا بلکہ یہ ایک منظم فکری و تہذیبی تحریک کی صورت اختیار کر چکا ہے، جو دنیا بھر میں بالخصوص مسلم نوجوانوں کے اذہان کو متاثر کر رہا ہے۔ الحاد صرف اعتقادی مسئلہ نہیں بلکہ یہ اخلاقی، نفسیاتی اور معاشرتی پہلوؤں کو بھی متاثر کرتا ہے۔ اس کے اثرات میں فرد کی اخلاقی اقدار کا زوال، روحانی اضطراب، معاشرتی تفرقہ اور معاشی و تمدنی ابتری شامل ہے۔ الحاد کے سدّباب کے لیے محض وعظ و نصیحت کافی نہیں بلکہ ایک منظم فکری، تعلیمی اور دعوتی حکمت عملی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلامی فکر کی عقلی بنیادوں، وحی کی جامعیت اور دین کے روحانی واخلاقی نظام کو عصرِ جدید کے فکری اسلوب میں پیش کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے دینی اداروں، دانشوروں اور اہلِ علم کو علمی سطح پر الحادی فکر کا علمی و استدلالی جواب دینا ہوگا تاکہ مسلمان نوجوان ایک بار پھر ایمان، علم اور روحانیت کے متوازن راستے کی طرف لوٹ سکیں۔

الحادی رجحانات کے اسباب

تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ الحاد کے فروغ میں متعدد داخلی و خارجی عوامل کارفرما ہیں۔ ان میں جدید سائنسی نظریات (خصوصاً دہریہ ارتقائی فکر)، مادیت پرستی، مذہب سے متعلق غلط فہمیوں،

پرنسپل کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز، منہاج یونیورسٹی لاہور

مذہبی پیشواؤں کی علمی کمزوری اور مغربی تہذیبی اثرات کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا، لبرل تعلیمی نظام اور فکری آزاد خیالی نے ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے جہاں مذہب کو ایک قدیم، غیر سائنسی اور غیر متعلقہ نظام کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ نتیجتاً نوجوان نسل ایک فکری خلا، روحانی بے چینی اور شناختی بحران کا شکار ہو کر الحاد یا دین بیزاری کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ الحادی رجحانات کے اسباب درج ذیل ہیں:

ا۔ جدیدیت اور مغربی نظریات

الحادی رجحانات کا پہلا سبب جدیدیت اور مغربی نظریات کا فروغ ہے۔ مغربی فلسفیوں اور سائنسی نظریات کو بڑے پیمانے پر پڑھایا جاتا ہے، جن میں مذہب کے وجود اور خدا کے تصور پر تنقید کی جاتی ہے۔ ان مغربی مفکرین میں نیتشے، مارکس اور ڈارون جیسے عظیم نام شامل ہیں، جنھوں نے مذہب کے روایتی تصورات کو چیلنج کیا اور اپنی تعلیمات کے ذریعے نئے افکار کو پروان چڑھایا۔ اس ضمن میں چند مغربی مفکرین کے نظریات ملاحظہ ہوں:

(۱) نیتشے کا فلسفہ (Nietsehe)

فریڈرش نیتشے جو ایک جرمن فلسفی تھا، اس نے اپنے مشہور قول: خدا مر چکا ہے (God is dead) کے ذریعے مذہب کے کردار پر سوالات اٹھائے۔ نیتشے کا یہ قول ایک علامتی بیان تھا جو دراصل مذہب کی روایتی اہمیت کی کمیابی کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کے خیال میں، انسان نے اپنی عقل و فہم کو ترقی دے کر خدا کے تصور کو بے معنی بنا دیا تھا۔ نیتشے کے مطابق، خدا کا مرنا انسان کی آزادی کا آغاز ہے، کیونکہ اب انسان اپنی تقدیر کا مالک خود بن سکتا ہے اور اسے کسی مافوق الفطرت ہستی کے مفروضے پر اپنی زندگی کی بنیاد نہیں رکھنی چاہیے۔

نیتشے کا یہ فلسفہ بہت سی جامعات میں پڑھایا جاتا ہے اور یہ نوجوانوں کے ذہنوں میں مذہب کی اہمیت کو کم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ نیتشے کے اس فلسفہ اور نظریہ کے جوابات یا متبادل نظریات فراہم نہیں کیے جاتے، جس سے طلبہ کے ذہن میں شک پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مذہب کو محض انسان کا ایک تخیلاتی تصور سمجھنے لگتے ہیں۔

(۲) ڈارون کا نظریہ ارتقا

چارلس ڈارون کا نظریہ ارتقا (Theory of Evolution) بھی مذہبی خیالات کے خلاف ایک اہم چیلنج تھا۔ اس نظریے کے مطابق، انسان اور دیگر جانداروں کی موجودگی کی کوئی ماورائی

وجہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک طویل عمل کے ذریعے قدرتی انتخاب اور ارتقائی تبدیلیوں کے نتیجے میں ممکن ہوئی۔ ڈارون کے اس نظریے نے مذہب کے تخلیقی تصور کو چیلنج کیا، جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کائنات اور انسان کو پیدا کیا۔

ڈارون کا یہ نظریہ طلبہ کو اس بات پر سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ آیا کائنات کی تخلیق واقعی کسی مافوق الفطرت ہستی کی ضرورت رکھتی ہے؟ اس کے نتیجے میں نوجوانوں میں مذہب سے متعلق سوالات اور شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ تاہم، اس نظریے کا مکمل جواب فراہم نہ کیا جائے تو یہ صرف شک کو بڑھا وادیتا ہے اور طلبہ اس بات کا فیصلہ نہیں کر پاتے کہ حقیقت کیا ہے۔

(۳) کارل مارکس کا فلسفہ

کارل مارکس نے مذہب پر شدید تنقید کی تھی اور اسے عوام کی افیون (Opium of the masses) قرار دیا تھا۔ مارکس کے مطابق، مذہب لوگوں کو حقیقت سے دور کر دیتا ہے اور انہیں آرام دہ جھوٹ میں مبتلا کرتا ہے، جس سے وہ سماجی مسائل سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ مارکس کا نظریہ یہ ہے کہ مذہب ایک رکاوٹ ہے جو سماجی ترقی کی راہ میں حائل ہوتا ہے اور اس کی جگہ مادہ پرست (Materialist) دنیاوی نظام کو اپنانا چاہیے۔

مارکس کے نظریات نے بھی مغربی دنیا میں مذہب کے بارے میں نئے زاویے پیش کیے لیکن جب ان کے خیالات کو جامعات میں اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ ان کے جوابات نہ دیئے جائیں تو یہ نظریات نوجوانوں میں مذہب کے بارے میں شکوک پیدا کر سکتے ہیں۔

☆ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تمام مغربی فلسفیوں اور نظریات کو پڑھاتے وقت ان کے ساتھ ساتھ اسلامی فلسفہ اور تعلیمات کو بھی شامل کیا جانا چاہیے۔ اسلامی نقطہ نظر جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق، اس کی حکمت اور دنیا و آخرت میں اس کی اہمیت کو واضح کرتا ہے، اس کا پیش کرنا ضروری ہے تاکہ طلبہ کو ان سوالات کے جوابات مل سکیں جو ان مغربی نظریات کی بنیاد پر پیدا ہوتے ہیں۔

جب ہم مغربی فلسفیوں کی تعلیمات کو پیش کرتے ہیں تو ان کے بعد اسلامی فلسفہ کے مطابق ان کا جواب بھی دیں۔ اس سے طلبہ کو یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ ان نظریات کے جوابات اسلام میں کس طرح موجود ہیں اور انہیں اپنی عقائد پر یقین مضبوط کرنے کا موقع ملے گا۔

اسلامی فلسفہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا ہے اور اس کی حکمت اور عظمت کا کوئی موازنہ نہیں۔ اللہ کی تخلیق اور اس کے منصوبے کو سمجھنا انسان کا فرض ہے۔ جب اس بات کو طلبہ کے سامنے واضح کیا جاتا ہے تو ان کے ذہنوں میں یقین اور سکون پیدا ہوتا ہے اور وہ ان مغربی نظریات سے

متاثر ہو کر الحادی خیالات کی طرف نہیں بڑھتے۔اس لیے ضروری ہے کہ مغربی فلسفہ اور اسلامی فلسفہ کو متوازن انداز میں پیش کیا جائے تاکہ طلبہ کے ذہن میں سوالات کا جواب مل سکے اور وہ اپنی عقیدے میں مضبوط رہیں۔

۲۔ لبرل ازم اور سیکولر خیالات

الحادی رجحانات کے بڑھنے کا دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ لبرل ازم اور سیکولر خیالات کا غلبہ بڑھتا جا رہا ہے جو طلبہ کی فکری نشوونما پر گہرا اثر ڈال رہا ہے۔ان نظریات کے تحت مذہب کو ایک ذاتی معاملہ سمجھا جاتا ہے اور اجتماعی زندگی میں اس کی مداخلت کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔لبرل ازم مذہب کو فرد کی ذاتی آزادی کے خلاف سمجھتا ہے۔ سیکولر خیالات ریاست اور سماج کو مذہب سے علیحدہ رکھنے کی حمایت کرتے ہیں۔

(۱) مذہب اور ذاتی آزادی کا تضاد

لبرل ازم اور سیکولرازم مذہب کو فرد کی ذاتی آزادی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ان کے مطابق، فرد کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں مکمل آزادی حاصل ہونی چاہیے، بشمول اس کے مذہب کی پیروی کرنے یا نہ کرنے کا اختیار۔اس نظریہ کی وجہ سے مذہب کو ایک ذاتی عقیدہ اور آزادی کے راستے میں رکاوٹ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

(۲) سیکولر ریاست

سیکولر خیالات ریاستی معاملات میں مذہب کی مداخلت کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔اس کے مطابق ریاست کو مذہب سے آزاد ہونا چاہیے تاکہ تمام افراد کو اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی حاصل ہو۔اس کے نتیجے میں معاشرتی سطح پر مذہب کی حیثیت کم ہو جاتی ہے اور اس کا اثر معاشرتی ڈھانچے پر واضح طور پر نظر آتا ہے۔

☆ لبرل ازم اور سیکولر نظریات کے اثرات کا نتیجہ یہ ہے کہ طلبہ مذہب کی تعلیمات کو غیر ضروری سمجھنے لگتے ہیں۔وہ اپنی زندگیوں میں زیادہ آزادانہ، مادی اور دنیاوی نقطہ نظر کو ترجیح دیتے ہیں جو انہیں لبرل ازم اور سیکولرازم کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔

لبرل ازم اور سیکولر خیالات کا اثر صرف فرد کی ذاتی آزادی کو بڑھانے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس میں مذہب کی اہمیت اور اس کے معاشرتی اثرات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔اسلام میں دین اور دنیا دونوں کا توازن موجود ہے اور اس میں فرد کی آزادی اور معاشرتی ذمہ داریوں کا ایک خاص توازن قائم کیا گیا ہے۔

جب ان لبرل اور سیکولر نظریات کو پڑھایا جاتا ہے تو یہ ضروری ہے کہ طلبہ کو اسلامی تعلیمات کے ذریعے یہ بتایا جائے کہ حقیقی آزادی وہ ہے جو فرد کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں صحیح رہنمائی دیتی ہے نہ کہ وہ آزادی جو انسان کو اخلاقی اور دینی ذمہ داریوں سے آزاد کر دیتی ہے۔

اسلامی فلسفہ یہ سکھاتا ہے کہ معاشرتی زندگی میں مذہب کا کردار نہ صرف روحانیت بلکہ معاشرتی انصاف، فرد کی فلاح اور اجتماعی ذمہ داریوں کا محافظ بھی ہے۔ اگر ان لبرل اور سیکولر نظریات کے جواب میں اسلامی نقطہ نظر بھی پیش کیا جائے تو طلبہ ان خیالات کو بہتر طور پر سمجھ پائیں گے اور ان میں ایک متوازن نقطہ نظر پیدا ہو گا۔

۳۔ اساتذہ کا کردار

الحادی رجحانات کے فروغ میں مختلف جامعات کے اساتذہ کا مذموم کردار بھی شامل ہے۔ اساتذہ کا کردار طلبہ کی فکری اور نظریاتی نشوونما میں ایک اہم عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم کچھ اساتذہ جو مغربی جامعات سے تعلیم یافتہ ہیں، الحادی نظریات کے حامی ہیں اور اپنے تدریسی عمل کے دوران ان خیالات کو فروغ دیتے ہیں۔ ان اساتذہ کی ذاتی عقائد اور فکری پس منظر کا اثر طلبہ کی سوچ پر پڑتا ہے، جس کی وجہ سے دینی عقائد کو کمزور کرنے والا ایک ماحول پیدا ہوتا ہے۔

(۱) فکری رہنمائی کی کمی

کئی اساتذہ اپنے تدریسی عمل میں طلبہ کو مذہبی موضوعات پر تنقیدی سوچنے کی ترغیب دیتے ہیں لیکن وہ ان سوالات کے جوابات فراہم کرنے کے لیے مذہبی دلائل یا رہنمائی نہیں دیتے۔ طلبہ جب مذہب، خدا اور کائنات کے تخلیق کے بارے میں سوالات کرتے ہیں تو یہ اساتذہ ان سوالات کے جوابات دینے میں تذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے پاس دینی علم یا مستند دلائل نہیں ہوتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ کو کسی تسلی بخش جواب کے بغیر ہی اپنے سوالات کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا ہے جس سے ان کے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں اور وہ مغربی فلسفہ یا الحادی نظریات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

(۲) مذہبی عقائد پر تنقید

بعض اساتذہ اپنے لیکچرز میں مذہب اور اس کی تعلیمات پر تنقید کرتے ہیں، جس کا اثر طلبہ کے عقائد پر پڑتا ہے۔ یہ تنقید بعض اوقات غیر واضح، مبہم یا مبالغہ آمیز ہوتی ہے، جس سے طلبہ کے ذہنوں میں مذہب کے حوالے سے منفی تاثرات پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح کی تنقید طلبہ کی ذہنی تشکیل میں

ایک سنگین مسئلہ بن جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے عقائد کو کمتر سمجھنے لگتے ہیں اور اپنے مذہب کے بارے میں شکوک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(۳) اساتذہ کی کم علمی اور دین سے دوری

ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ بہت سے اساتذہ خود دینی تعلیمات اور اسلامی فلسفہ سے مکمل طور پر آشنا نہیں ہوتے یا ان کے اپنے عقائد میں تذبذب پایا جاتا ہے۔ ان اساتذہ کی فکری کمزوریوں کا اثر طلبہ پر پڑتا ہے کیونکہ وہ جب اپنے اساتذہ سے مذہب کے بارے میں سوالات کرتے ہیں تو انہیں تسلی بخش جوابات نہیں مل پاتے۔ اس کے نتیجے میں طلبہ اپنی سوچ کو بے بنیاد، غیر متوازن اور غیر اسلامی نظریات کے ساتھ جوڑنے لگتے ہیں، جس سے ان کے عقائد میں کمزوری آتی ہے۔

(۴) اساتذہ کی غیر ذمہ داری اور ان کی تنقید کا اثر

کچھ اساتذہ جو اپنی تدریسی ذمہ داریوں کو درست طور پر نہیں سمجھ پاتے، وہ غیر ذمہ داری سے کام لیتے ہیں اور مذہب کے بارے میں ان نظریات کو فروغ دیتے ہیں جو طلبہ کی فکری اور مذہبی بنیادوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان اساتذہ کی طرف سے کلاس روم میں مذہب کے بارے میں کی جانے والی تنقید طلبہ کے ذہنوں میں مذہب کے بارے میں منفی خیالات پیدا کرتی ہے اور انہیں دینی عقائد سے دور کرتی ہے۔ اس کا اثر طلبہ کی شخصیت پر پڑتا ہے جو مستقبل میں ان کے نظریات اور فکری ارتقاء کو متاثر کرتا ہے۔

☆ اس تناظر میں اساتذہ کو اپنی تدریسی ذمہ داریوں کو سنجیدگی سے سمجھنا چاہیے اور مذہب کے بارے میں طلبہ کی رہنمائی کا مناسب طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ طلبہ کو صرف تنقیدی سوچ کی ترغیب نہ دیں بلکہ انہیں دینی عقائد کے حوالے سے بھی مکمل رہنمائی فراہم کریں۔ اس کے لیے اساتذہ کو اپنے علم میں اضافہ کرنا ہوگا اور انہیں اسلامی فلسفہ اور دینی دلائل سے آراستہ ہونا چاہیے تاکہ وہ طلبہ کو صحیح اور مستند جواب دے سکیں۔ جب اساتذہ خود اپنے عقائد اور دینی علم میں مضبوط ہوں گے تو وہ طلبہ کو بہتر طریقے سے فکری رہنمائی فراہم کر سکیں گے اور اس کے نتیجے میں طلبہ میں مذہبی عقائد کی مضبوطی اور توازن پیدا ہوگا۔

۴۔ سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل مواد

الحادی رجحانات کے بڑھنے کا چوتھا سبب سوشل میڈیا پر پروان چڑھنے والا مواد بھی ہے۔ جدید دور میں انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا نے معاشرتی اور ثقافتی تبدیلیوں کو تیز کیا ہے۔ ان پلیٹ فارمز کا استعمال

نوجوانوں میں مخصوص رجحانات اور خیالات کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ سوشل میڈیا جیسے؛ یوٹیوب، ایکس، فیس بک اور دیگر ڈیجیٹیل پلیٹ فارمز پر مختلف نوعیت کا مواد، جن میں ویڈیوز، لیکچرز، آرٹیکلز اور بحث و مباحثہ شامل ہیں، نوجوان نسل پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔

(۱) الحادی مواد اور اس کا اثر

ان پلیٹ فارمز پر الحادی مواد کی بڑھتی ہوئی موجودگی نے نوجوانوں کو مذہب کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا ہے۔ مختلف ہنر منداور متحرک افراد جو خود کو فلسفی یا سائنسی مفکر کے طور پر پیش کرتے ہیں، مذہب پر سوالات اٹھاتے ہیں اور اس کی کمزوریوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس مواد کی مدد سے مذہب کی موجودہ تشریحات پر تنقید کی جاتی ہے اور دین کے بنیادی عقائد پر شک پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ مواد اکثر جذباتی طور پر اشتعال انگیز ہوتا ہے اور نوجوانوں کے فطری تجسس کو بڑھا کر ان کے عقائد میں تذبذب پیدا کرتا ہے۔

(۲) مذہب پر تنقید اور نوجوانوں کی سوچ

سوشل میڈیا پر اکثر مذہب کی تعلیمات کو کمزوریوں، تضادات اور منطق سے ہٹ کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں کثرت سے ایسی ویڈیوز، بلاگز اور پوسٹس شامل ہوتی ہیں جو اسلام یا دیگر مذاہب پر طنز کرتی ہیں اور ان کے عقائد کو قدامت پسند اور غیر سائنسی قرار دیتی ہیں۔ ان مواد کی مدد سے مذہب کی روایتی تشریحات کو زیر سوال لایا جاتا ہے اور مغربی نظریات یا الحادی فلسفہ کو معقول اور ترقی پسند قرار دیا جاتا ہے۔ اس طرح کی تنقید نوجوانوں کے ذہن میں مذہب کے بارے میں منفی اثرات مرتب کرتی ہے اور وہ اسے ایک عہد قدیم اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ کے طور پر دیکھنے لگتے ہیں۔

(۳) عالمی الحادی مفکرین اور ان کا اثر

عالمی سطح پر بھی الحادی تحریکات کو بڑھاوا دینے والے معروف مفکرین اور شخصیات ہیں جیسے رچرڈ ڈاکنز، کرسٹوفر ہچنز اور سموئیل ہیٹنگٹن جن کی تحریریں اور لیکچرز سوشل میڈیا پر بڑے پیمانے پر شیئر کیے جاتے ہیں۔ رچرڈ ڈاکنز نے اپنی مشہور کتاب The God Delusion میں مذہب کو ایک غیر معقول اور انسانوں کی عقل کے خلاف تصور کیا ہے۔

ان کی تحریریں اور لیکچرز اس بات کو فروغ دیتے ہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب کو سائنس اور عقل کے پرتو میں نئے سرے سے جانچنا چاہئے۔ اس قسم کے عالمی مفکرین کا اثر طلبہ پر اس وقت پڑتا ہے جب وہ ان کی تحریروں کو بغیر کسی توجہ کے سنے اور ان پر تنقیدی سوچ نہ کر پائیں۔ اس کے نتیجے میں وہ مذہب

کے بارے میں الجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس بات پر یقین کرنے لگتے ہیں کہ مذہب صرف ایک انسانی تخیل ہے، جس کا کوئی سائنسی یا عقلی جواز نہیں ہے۔

☆ سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل مواد نے نوجوانوں کی سوچ کو ایک نیا رخ دیا ہے اور ان کے مذہبی عقائد کو متاثر کیا ہے۔ اس اثر کو متوازن طریقے سے صرف اسی صورت روکا جاسکتا ہے اگر ہم اپنے نوجوانوں کو اسلامی عقائد اور فلسفے کی حقیقت سے آگاہ کریں اور انہیں ان الحادی نظریات کا منطقی اور علمی جواب فراہم کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کا استعمال مثبت اور تعلیمی مواد کے لیے کیا جائے تاکہ نوجوان اس بات سے آگاہ ہو سکیں کہ ان کے مذہب میں کسی قسم کی کوئی کمزوری یا تضاد نہیں ہے بلکہ یہ ایک مکمل اور سائنسی طور پر معتبر تعلیم ہے۔

سوشل میڈیا پر اس طرح کے مواد کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات کی حقیقت اور فلسفہ سے بھی آگاہ کریں اور انہیں ذہنی طور پر مضبوط بنائیں تاکہ وہ کسی بھی مغربی یا الحادی اثرات کا شکار نہ ہوں۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کا استعمال ایک طاقتور ذریعہ کے طور پر کرنا ہوگا تاکہ ہم اپنے مذہب کی صحیح تعلیمات اور عقائد کو دنیا بھر میں پھیلانے میں کامیاب ہوں۔

۵۔ ثقافتی تبدیلیاں

ثقافتی تبدیلیوں نے بھی الحادی رجحانات کے بڑھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جدیدیت اور گلابلائزیشن کی تیز رفتاری نے دنیا بھر میں ثقافتی تبدیلیوں کی ایک لہر پیدا کی ہے، جس کے اثرات خاص طور پر مذہبی معاشروں پر محسوس کیے گئے ہیں۔ ان تبدیلیوں کے نتیجے میں روایتی مذہبی اقدار اور معاشرتی تصورات میں تبدیلی آئی ہے اور یہ تبدیلیاں نہ صرف ایک مخصوص علاقے یا قوم تک محدود رہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی پھیل چکی ہیں۔ ان اثرات کا ایک نمایاں پہلو مذہب کی اہمیت میں کمی اور مادی اقدار کی ترقی کو بڑھاوا دینا ہے۔

(ا) مغربی ثقافت کا اثر

مغربی ثقافت جو کہ جدیدیت، سیکولرازم اور لبرل ازم کے اصولوں پر مبنی ہے، اس نے دنیا بھر کے معاشروں پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ سوشل میڈیا، انٹرنیٹ، فلم انڈسٹری اور دیگر ثقافتی مصنوعات کے ذریعے مغربی تصورات اور زندگی کے انداز دنیا کے ہر کونے تک پہنچ چکے ہیں۔ مغربی

معاشروں کے اصولوں کی تقلید کرنے کی خواہش نے نوجوانوں کو مذہب سے دور کر دیا ہے کیونکہ مغربی ثقافت فرد کی آزادی، خود مختاری اور عقل و شعور کو زیادہ اہمیت دیتی ہے۔

نوجوان نسل مغربی طرزِ زندگی میں محو ہو گئی ہے، جس میں خاندان، مذہب اور روایات کے بجائے مادی کامیابی، ذاتی آزادی اور تفریح کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ مغربی ثقافت میں کمیونٹی کی بجائے فرد کی اہمیت کو بڑھاوا دیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے نوجوان مذہب کو محض ایک ذاتی عقیدہ یا ذاتی فیصلہ سمجھنے لگے ہیں جو اجتماعی زندگی میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ اس تبدیلی کی ایک اور اہم وجہ مغربی میڈیا کی غیر متنازعہ نوعیت ہے، جس کے ذریعے نوجوانوں کو مذہب کے بجائے مادی کامیابی اور عیش و آرام کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔

(۲) مادی کامیابی کی اہمیت

جدیدیت نے معاشرتی فلاح کے بجائے مادی کامیابی کو اہمیت دی ہے۔ نوجوان نسل کے لیے کامیابی کا معیار اب صرف دولت، شہرت اور ذاتی آزادی بن چکا ہے، جس کی بدولت روحانی ترقی اور مذہبی عقائد پس پشت چلے گئے ہیں۔ نوجوانوں کے لیے مذہب کی اہمیت محض ایک ذاتی معاملہ بن کر رہ گئی ہے اور وہ اسے اپنی زندگی کے دیگر مقاصد کے مقابلے میں کم اہمیت دینے لگے ہیں۔ اس کے بجائے وہ فوائد کو اہمیت دیتے ہیں، جیسے کہ اچھا کیریئر، زیادہ پیسہ کمانا اور ذاتی آزادی حاصل کرنا۔

مذہبی عقائد کو مادی ترقی کے ساتھ متصادم سمجھا جانے لگا ہے۔ اس بات کا پرچار کیا جا رہا ہے کہ مذہب انسان کو ترقی کے راستے سے روکتا ہے اور اس کے عقائد کو جدید دنیا کی ترقی سے ہم آہنگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا اثر نوجوانوں کی ذہن سازی پر گہرا پڑا ہے کیونکہ وہ مذہب کے بجائے دنیاوی کامیابی اور انفرادی حقوق پر زیادہ زور دینے لگے ہیں۔ اس سوچ نے نہ صرف مذہب کی بنیادوں کو کمزور کیا ہے بلکہ یہ نوجوانوں کے درمیان مادی جاہ و حشمت کے حصول کی دوڑ کو بڑھا رہا ہے، جس سے روحانیت اور اخلاقی اقدار کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔

(۳) مغربی ثقافت اور مادی کامیابی کی طرف جھکاؤ

مغربی ثقافت نے جو انفرادی آزادی اور مادی ترقی کا تصور پیش کیا ہے، اس کے اثرات نے مسلمانوں کی نوجوان نسل کو خاص طور پر متاثر کیا ہے۔ ان کے ذہنوں میں یہ تصورات بیٹھ چکے ہیں کہ جدید دنیا میں کامیابی صرف وہی حاصل کر سکتا ہے جو دین سے آزاد ہو اور جو صرف مادی اقدار کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھے۔ ان نوجوانوں کے لیے دین ایک ذاتی انتخاب بن کر رہ گیا ہے اور اس کے اثرات ان کے اجتماعی اور معاشرتی کردار پر کم ہو گئے ہیں۔

☆ مغربی ثقافت اور مادی کامیابی کی طرف بڑھتے ہوئے رجحانات نے ہمارے معاشرتی اور مذہبی اقدار کو شدید چیلنج کیا ہے، لیکن اس کے باوجود اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات فراہم کرتا ہے جو فرد اور معاشرہ دونوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہے۔ ہمیں نوجوانوں کو اس بات کا قائل کرنے کی ضرورت ہے کہ مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی اور اخلاقی ترقی بھی اتنی ہی اہم ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم ان نوجوانوں کو یہ سمجھائیں کہ حقیقی کامیابی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب انسان اپنی زندگی میں اللہ کے احکام کو مانے اور اس کے راستے پر چل کر دنیا و آخرت میں کامیاب ہو۔

ہمیں مغربی ثقافت کی چمک دمک کو دیکھنے کے بجائے اپنے مذہبی عقائد اور اقدار کی مضبوط بنیادوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے تاکہ ہماری نوجوان نسل کو اسلام کی حقیقت اور اس کی انسانیت کے لیے فائدہ مند تعلیمات کا ادراک ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں جدید دنیا میں نوجوانوں کی فکری رہنمائی کے لیے نئی حکمت عملی اپنانی چاہیے تاکہ وہ دنیاوی ترقی اور روحانی تعلیمات کے درمیان توازن قائم رکھ سکیں۔

(جاری ہے)

تجدید و احیائے دین، دعوت و تبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج و اقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگہی کے لئے

ماہنامہ منہاج القرآن کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext: 128
0300-8886334 Whatsapp: 0300-8105740
Web:www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

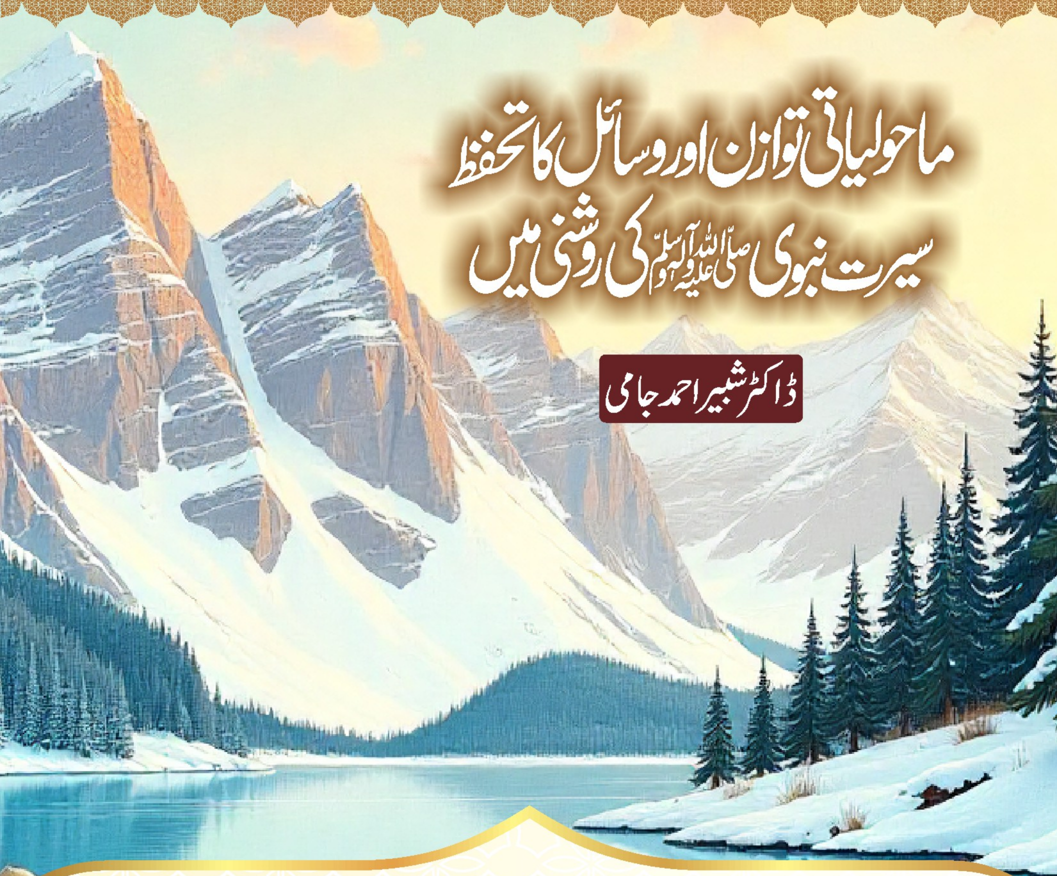

ماحولیاتی توازن اور وسائل کا تحفظ سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر شبیر احمد جامی

عصرِ حاضر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی نے ساری دنیا کو ایک دوسرے کے بالکل قریب کر دیا ہے۔ اس جدت نے جہاں علم و شعور، ترقی و عروج، بین الاقوامی ہم آہنگی، آسائش و سکون کے نئے دروازے کھولے ہیں اور انسانی زندگی کو پہلے کے مقابلے میں بہتر اور سہل بنانے کی ہر ممکن سعی کی ہے، وہیں ان انسانی سرگرمیوں نے قدرتی ماحول پر خطرناک اثرات مرتب کیے ہیں۔ نتیجتاً ہوا، پانی اور زمین کی قدرتی، کیمیائی اور حیاتیاتی خصوصیات میں غیر ضروری اور نقصان دہ تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں۔ زمین کے درجہ حرارت میں تشویش ناک حد تک اضافہ ہوا ہے، جس کے نتیجے میں نہ صرف عالمی حدت (گلوبل وارمنگ) کا مسئلہ شدت اختیار کر چکا ہے بلکہ ماحولیاتی آلودگی بھی خطرناک حد تک بڑھ گئی ہے۔

ان ماحولیاتی تبدیلیوں کے متعدد نقصانات اور منفی اثرات انسانی زندگی کے لیے سنگین خطرات کا باعث بن چکے ہیں۔ اس کے نتیجے میں لاکھوں انسان اپنی زندگی سے محروم ہو چکے ہیں، جبکہ کئی اقسام کے جانور اور پودے بھی ناپید ہو رہے ہیں۔ اگر اس رجحان پر قابو نہ پایا گیا تو یہ خدشہ ہے کہ زمین سے جانداروں کی متعدد اقسام ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ ماحولیاتی مسائل اور ان کے

ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ اسلامک سٹڈیز، منہاج یونیورسٹی لاہور

حل کو اب انسانی بقا کا سب سے اہم مسئلہ تسلیم کیا جا رہا ہے، اور ماحولیاتی بحران کو موجودہ دور کا ایک المناک اور پیچیدہ چیلنج سمجھا جاتا ہے۔

ماحولیات کی حفاظت اور توازن برقرار رکھنا انسان کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہے۔ سیرت نبوی ﷺ میں ماحولیاتی تحفظ کے واضح اصول اور عملی رہنما خطوط ملتے ہیں، جو ہر مسلمان کو قدرتی وسائل کے درست اور متوازن استعمال کی تلقین کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے زمین، پانی، ہوا اور دیگر قدرتی عناصر کے تحفظ پر خصوصی زور دیا۔

سیرت نبوی ﷺ نے مسلمانوں کو ایسی اقدار اور تعلیمات اپنانے کی ترغیب دی ہے جو ماحول کو نقصان دہ اثرات اور منفی تبدیلیوں سے محفوظ رکھنے میں مددگار ثابت ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کی روشنی میں ماحولیاتی تحفظ کو یقینی بنایا جاسکتا ہے، کیونکہ ماحول کی حفاظت سے متعلق آپ ﷺ کے فرامین اور عملی مثالوں کو قرآن کریم کے بعد سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ذیل میں رسول اللہ ﷺ کی ان تعلیمات کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ماحولیات کے تحفظ اور بہتری کے لیے راہنما اصول فراہم کرتی ہیں:

۱۔ تحفظِ ماحول کی ذمہ داری کا شعور

اللہ تعالی نے انسان کو دنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجا اور اس پر یہ ذمہ داری عائد کی کہ وہ خلافت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے دنیا کے نظام کو سنوارنے اور تخریب کے بجائے تعمیر کے لیے محنت کرے۔ اگر انسان اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی کرے گا اور اللہ کی عطا کردہ امانتوں کا حق ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے دن جہاں اس سے بازپرس کی جائے گی، وہاں اللہ تعالیٰ اس کے ہر قول و فعل کا حساب لے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَا عِبَادِي إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ۔ (صحیح مسلم، باب تحریم الظلم، رقم الحدیث: ۶۷۳۷)

”اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے لیے شمار کرتا ہوں، پھر ان کا پورا بدلہ تمہیں عطا کروں گا۔ پس جسے اچھا بدلہ ملے وہ اللہ کا شکر ادا کرے، کیونکہ یہ اس کی کوشش کا نتیجہ ہے اور جسے برا بدلہ ملے، وہ خود کو ملامت کرے، کیونکہ یہ اس کے اپنے اعمال کا انجام ہے۔“

مسلمان چاہے کسی بھی حیثیت یا منصب پر فائز ہو، اپنے اعمال اور فرائض کے لیے اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔ اس کی سماجی، تعلیمی، معاشی یا سیاسی حیثیت جو بھی ہو، وہ اپنے اختیارات اور تصرفات کا ذمہ

دار ہے، اور قیامت کے دن اس سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں ضرور باز پرس ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

(صحیح بخاری، باب الجمعۃ فی القری والمدن، رقم الحدیث: ۸۹۳)

”تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے، اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔“

انسان سے اس کی ذاتی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ دنیا کے نظام کو درست رکھنے کی ذمہ داری کا بھی حساب لیا جائے گا۔ اسلام نے فرد اور معاشرے کے درمیان گہرا رشتہ قائم کیا ہے، اس لیے نہ صرف فرد کی ذاتی زندگی بلکہ معاشرتی تعلقات میں اس کے رویے کا بھی حساب لیا جائے گا۔ انسان کو دوسروں کو ماحولیاتی نقصانات سے آگاہ کرنے اور روکتے ہوئے اس کے اثرات سے بچانے کی بھی ذمہ داری دی گئی ہے، کیونکہ ماحولیاتی تباہی سب کو یکساں طور پر متاثر کرتی ہے۔

۲۔ ماحول کی حفاظت: مسلمان کا دینی فریضہ

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ماحول کی حفاظت اور اسے آلودگی سے بچانا مسلمان کے ایمان کا ایک اہم جزو ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

الإيمان بضع وسبعون أو بضع وستون شعبة فأفضلها قول لا إله إلا الله وأدناها إماطة الأذى عن الطريق۔ (صحیح مسلم، باب شعب الایمان، رقم الحدیث: ۱۶۲)

”ایمان کی ستر یا ساٹھ سے زائد شاخیں ہیں۔ ان سب میں سب سے افضل ”لا الہ الا اللہ“ کہنا ہے اور ان میں سب سے کم تر راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔“

اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس کے ایمان کا حصہ ہے کہ راستے سے تکلیف دہ اور ضرر رساں چیز کو ہٹائے، چاہے وہ مادی ہو یا معنوی۔ یہاں الأذی سے مراد ہر وہ چیز ہے جو راستوں کی صفائی اور جمال کو متاثر کرتی ہو، جو عوامی راستوں میں حادثات یا ٹریفک کی روانی میں رکاوٹ ڈالنی ہو، یا جو کسی نہ کسی طریقے سے گزرنے والوں کو نقصان پہنچا سکتی ہو۔ مثال کے طور پر، کوڑا کرکٹ، کچرا، پلاسٹک کی تھیلیاں، یا خالی بوتلیں وغیرہ، کیونکہ یہ سب بھی نقصان دہ اور ضرر رساں سمجھی جاتی ہیں۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالی راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانے کی توفیق دیتا ہے، ان پر اللہ کی خصوصی رحمت ہوتی ہے، کیونکہ اس عمل کے ذریعے ان کی مغفرت ہوتی ہے اور وہ اللہ کے عذاب سے بچ جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بينما رَجُلٌ يمشي بطريق وجد غصن شوك على الطريق فاخره فشكر الله له فغفر له۔
(صحیح مسلم، باب بیان الشہداء، رقم الحدیث: ۵۰۴۹)

"ایک شخص راستے پر چل رہا تھا، اس نے راستے میں کانٹوں کی ایک شاخ دیکھی، تو اس نے اسے وہاں سے ہٹا دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی اس نیکی کو قبول کیا اور اس کی مغفرت کر دی۔"

علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

هذه الحديث المذكورة في الباب ظاهرة في فضل إزالة الأذى عن الطريق، سواء كان الأذى شجرة تؤذي، أو غصن شوك، أو حجرًا يعثر به، أو قذرا، أو جيفة وغير ذلك۔
(النووی، شرح صحیح مسلم، ج ۸، ص: ۴۵۰)

"یہ حدیث راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانے کے حوالے سے واضح طور پر بیان کرتی ہے، چاہے وہ ایذا دینے والا درخت ہو، کانٹوں والی شاخ ہو، کوئی پتھر جو ٹھوکر لگنے کا سبب بن رہا ہو، گندگی ہو، یا کسی مردہ جانور کی لاش ہو۔"

۳۔ انسانی صحت اور ماحول کی اہمیت

اسلام میں انسانی صحت اور تندرستی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے انسان کی صحت مند زندگی ایک صاف اور محفوظ ماحول سے جڑی ہوئی ہے، کیونکہ انسان اس ماحول میں رہ کر اپنی ضروریات پوری کرتا ہے۔ زندگی کی بقاء کے لیے ضروری غذا، پانی اور صاف ہوا، سب اسی ماحول کے عناصر ہیں۔ اسی طرح سورج، زمین، پہاڑ، درخت، دریا اور سمندر بھی انسانی ضروریات کے لیے نہایت اہم ہیں۔ مختصراً انسانی بقاء اور صحت کا انحصار ماحول اور اس کے اجزاء پر ہے۔ اگر ماحول محفوظ ہوگا تو انسانی صحت بھی محفوظ رہے گی۔ اسلام نے صحت کو اللہ کی عظیم نعمت قرار دیا ہے اور اس کی حفاظت کو انسان پر لازم کیا ہے۔ چند فرامین ملاحظہ ہوں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَلِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا (صحیح مسلم، باب النھی عن صوم الدھر لمن تضرر بہ، رقم الحدیث: ۲۷۸۷)

"تمہارے جسم کا تم پر حق ہے۔"

اس لیے انسان پر فرض ہے کہ اپنی صحت کا خیال رکھے، کیونکہ یہ اللہ کی دی ہوئی ایک امانت اور نعمت ہے۔

۲۔ ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا:

نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس: الصحة والفراغ (صحیح بخاری، باب لاعیش الا عیش الآخرۃ، رقم الحدیث: ۶۴۱۲)

”دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی اکثر لوگ قدر نہیں کرتے صحت اور فراغت۔“

۳۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

المؤمن القوی خیر وأحب إلی اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنَ الضَّعِيف (صحیح مسلم، باب فی الامر بالقوۃ وترک العجز)

”طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔“

کیونکہ وہ عبادات کی انجام دہی، فرائض وسنت پر عمل، دعوت و تبلیغ اور معاشرتی خدمت جیسے کاموں میں کمزور مومن کے مقابلے میں زیادہ فعال اور مضبوط ہوتا ہے۔ اس لیے انسانی صحت اور جان، جو اللہ کی عظیم نعمت ہیں، اس کی حفاظت کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ انسانی صحت کا تحفظ ماحول کی حفاظت کے ساتھ منسلک ہے، لہذا انسان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ماحول کو ان منفی سرگرمیوں اور تبدیلیوں سے بچانے کی کوشش کرے جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

۴۔ ماحول کو آلودہ کرنا فسق ہے

اسلام میں انسان کی ذمہ داریوں میں صرف اپنی ذات کی اصلاح نہیں بلکہ دنیا اور ماحول کی بہتری کا خیال بھی شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی حدیث بیان فرمائی جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاسق انسان کے شر سے زمین کی مخلوقات تکلیف میں رہتی ہیں اور اس کے مرنے پر وہ سب سکون پاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ گزرنے پر ارشاد فرمایا:

مستريح ومستراح منه قالوا: يا رسول الله ما المستريح والمستراح منه قال: العَبْدُ الْمُؤْمِنُ يستريح من نصب الدنيا وأذاها إلى رحمة الله والعبد الفاجر يستريح منه العباد والبلاد والشجر والدواب۔

(المظھری، المفاتیح فی شرح المصابیح، ج ۲، ص ۴۱۴)

”یہ مستریح یا مستراح منہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: مستریح اور مستراح منہ کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا: مومن بندہ دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے اللہ کی رحمت میں سکون پاتا ہے (اس معنی کی رو سے یہ مستریح ہو گا) اور فاسق بندے کے مرنے سے اللہ کے بندے، شہر، درخت اور جانور سب سکون پاتے ہیں (اس معنی کی رو سے یہ مستراح منہ ہے)۔“

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے دو قسم کے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک وہ نیک بندہ جو اپنی وفات کے بعد دنیا کی مشقتوں، پریشانیوں اور تکالیف سے نجات پا کر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رضا میں داخل ہو جاتا ہے اور دنیا کے مصائب سے چھٹکارا پا کر آرام و سکون کی منزل کو پہنچتا ہے۔ دوسرا وہ فاسق اور گناہ گار شخص ہے جس کی زندگی اس کے شر، گناہوں اور ایذا رسانی سے معمور ہوتی ہے، اور اس کی موت دنیا کی دیگر مخلوقات مثلاً: انسانوں، بستیوں، درختوں اور جانوروں کے لیے سکون کا باعث بن جاتی ہے، کیونکہ اس کے زندہ رہنے سے مخلوقات کو تکلیف پہنچتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے گناہوں، نافرمانیوں اور بد اعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت، برکت اور بارشوں کو روک لیتا ہو جس کے نتیجے میں زمین اور اس پر بسنے والی مخلوقات مثلاً: درخت، جانور اور دیگر جاندار متاثر ہوتے ہیں یا ہلاک ہو جاتے ہیں۔ شارحین کے مطابق اس حدیث کا مفہوم یہ بھی ہے کہ ایسے فاسق و گناہگار شخص کی نحوست اور بد اعمالیوں کی وجہ سے زمین پر نعمتوں کا نزول رک جاتا ہے، جس سے جانور اور نباتات تباہ ہو جاتے ہیں۔

۵۔ قدرتی وسائل: مشترکہ امانت

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق، قدرتی ماحول کے کچھ عناصر انسانی معاشرے کی مشترکہ امانت ہیں۔ کسی فرد کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ ان وسائل پر صرف اپنا قبضہ جمائے، دوسروں کو ان کے استعمال سے روکے، یا اپنی خواہشات کے تحت ان میں ایسی تبدیلیاں کرے جو انہیں نقصان پہنچائیں یا ناقابل استعمال بنا دیں۔ جو شخص ان وسائل کو بے جا استعمال کر کے دوسروں کو ان کے حق سے محروم کرتا ہے یا انہیں خراب کرتا ہے، وہ نہ صرف دوسروں کے حقوق تلف کرتا ہے بلکہ پورے معاشرے کا مجرم سمجھا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

المسلمون شرکاء فی ثلاث: فی الماء، والکلاء، والنار، وثمنه حرام (ابن ماجه، السنن، باب المسلمون شرکاء فی ثلاث، رقم الحدیث: ۲۴۷۲)

”تین چیزوں میں سارے مسلمانوں کی شرکت (ساجھے داری) ہے: پانی (جو بہتا ہو اور جاری ہو)، گھاس اور آگ۔ ان کی قیمت لے کر بیچنا حرام ہے۔“

پانی سے مراد جو کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہو، جیسے بارش کا پانی، قدرتی نالے، نہریں، یا دریا کا پانی۔ گھاس سے مراد جو خود رو ہو اور کسی نے اسے خاص طور پر نہ لگایا ہو۔ اسی طرح وہ لکڑیاں یا جلانے کے لیے استعمال ہونے والے پتھر مراد ہیں جو کسی کی نجی ملکیت میں نہ ہوں۔ ان وسائل کو کسی بھی صورت

دوسروں کے لیے روکنا منع ہے۔ مشترکہ اور ذاتی دونوں اقسام کی اشیاء کو نقصان پہنچانے یا ان کے غلط استعمال سے بچنا لازمی ہے۔

۶۔ ماحولیاتی وسائل کے استعمال میں اعتدال کی ہدایت

اسلام دنیا کے واحد دین کے طور پر نمایاں ہے جو اپنے پیروکاروں کو ہر معاملے میں اعتدال اور میانہ روی کی تلقین کرتا ہے اور اسراف و فضول خرچی سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو امتِ وسط کا لقب اسی بنیاد پر دیا ہے کہ ان کے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور تمام دنیادی امور اعتدال اور توازن پر مبنی ہیں۔ اسی وجہ سے، اس امت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قدرتی وسائل اور ماحول کے معاملے میں بھی میانہ روی کو برقرار رکھے۔

اسلام نے ماحول اور اس کے وسائل کے حوالے سے جو اصول پیش کیے ہیں، ان میں اعتدال کے ساتھ استعمال کی تاکید کی گئی ہے اور فضول خرچی یا بے جا استعمال کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث میں ماحول کے عناصر اور قدرتی وسائل کے استعمال کے بارے میں واضح طور پر اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرے جبکہ وہ وضو کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

ما هذا السرف ﴿﴾ فقال: أفي الوضوء إسراف ﴿﴾ قال: نعم، وإن كنت على نهر جار (مسند أحمد، من مسند عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، ٦: ٤٨١)

یہ کیا فضول خرچی ہے؟ سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہو سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، اگرچہ تم بہتی ہوئی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ ہو۔

۷۔ حیوانات اور ماحولیاتی توازن

پرندے اور جانور ماحولیاتی توازن کا ایک اہم حصہ ہیں اور ان کی موجودگی سے قدرتی ماحول کی خوبصورتی اور دلکشی وابستہ ہے۔ اسلام نے ان مخلوقات کی حفاظت کو بھی انسان کی بنیادی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ ان کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آنا، ان کی بقا اور افزائش نسل کو یقینی بنانا انسان پر لازم کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے اسلام نے جو اصول اور ہدایات دی ہیں، وہ نہایت جامع اور واضح ہیں۔ ان اصولوں کے تحت ماحول کے اس اہم عنصر یعنی حیوانات اور پرندوں کی دیکھ بھال، ان کی افزائش اور بہتر نشوونما کے لیے اسلام نے انفرادی اور اجتماعی سطح پر کوششوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے معاشرے کے ہر فرد اور طبقے کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے واضح ہدایات دی ہیں کہ ہر وہ جانور یا پرندہ جو کسی کی نگرانی میں ہو، اس کی خوراک، پانی اور دیکھ بھال کا انتظام مالک کی ذمہ داری ہے۔ اگر جانور بیمار ہو جائے تو اس کے علاج معالجے اور خوراک کا خاص بندوبست کرنا بھی لازم ہے، چاہے اس جانور سے کسی قسم کا فائدہ نہ لیا جا رہا ہو۔ اگر کوئی شخص ان ضروریات کا خیال نہیں رکھتا تو وہ سخت گناہ گار ہے اور عذابِ جہنم کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عذبت امرأۃ فی ھرۃ حبستھا حتی ماتت جوعًا، فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّار (البخاری، الجامع الصحیح بخاری، باب فضل السقی الماء)

ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ کیونکہ اس نے اسے قید کر رکھا تھا اور وہ بھوک سے مر گئی، اسی جرم کی بنا پر وہ عورت جہنم میں داخل ہوئی۔

یہ حدیث اس بات کی تنبیہ کرتی ہے کہ جانوروں کے ساتھ بد سلوکی یا ان کی بنیادی ضروریات کو نظر انداز کرنا کسی بھی صورت قابلِ معافی نہیں ہے اور یہ اللہ کے غضب کا سبب بن سکتا ہے۔ اسلام نے جانوروں کے ساتھ رحم اور ہمدردی کا برتاؤ کرنے کی اہمیت پر زور دیا ہے، کیونکہ انسانوں کی کئی ضروریات جانوروں پر منحصر ہیں۔ ان کے تحفظ کی ذمہ داری صرف فرد پر ہی نہیں بلکہ پورے معاشرے پر عائد کی گئی ہے، تاکہ یہ سب مل کر ان کی بقا اور تحفظ کے لیے کوششیں کریں۔ اسی وجہ سے اسلام میں بعض جانوروں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ جانوروں کی حفاظت اور نسلوں کی بقا کے لیے اجتماعی سطح پر اقدامات کرنا ضروری ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

إن النبی ﷺ نھی عن قتل أربع من الدواب: النملة والنحله وَالْهُدْهُد وَالصَّرد (سنن ابن ماجہ، کتاب الصید، باب ماینھی عن قتلہ، رقم الحدیث: ۳۲۲۴)

نبی اکرم ﷺ نے چار جانوروں کے قتل سے منع فرمایا ہے: چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد، اور لٹورا چڑیا۔

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان جانوروں کی حفاظت اور ان کی نسلوں کی بقا مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے، اور ان کے ساتھ بد سلوکی کو اسلام میں ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ وہ جاندار جنہیں کھانے کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا، انہیں مارنے سے روکا گیا ہے۔ اگر یہ جانور انسان کی خوراک کا حصہ ہوتے اور ان کی حفاظت کا حکم دیا جاتا، تو بات سمجھ میں آتی لیکن یہاں ایسے جانوروں کا ذکر کیا گیا ہے جو انسان کی خوراک کے لیے نہیں ہیں۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ بھی ماحولیاتی نظام کا حصہ ہیں۔ اگرچہ یہ جانور براہِ راست انسان کے کام نہیں آتے، لیکن ان کا ماحول میں اپنا ایک اہم کردار ہے۔

یہ جانور نہ صرف ماحولیاتی حسن کا حصہ ہیں، بلکہ یہ مضر کیڑوں اور حشرات کو ختم کر کے ماحول کو صاف رکھنے میں بھی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

۸۔ پانی کا تحفظ اور ماحولیاتی توازن

اسلام ہر اس عمل اور سرگرمی سے روکتا ہے جو پانی، اس کے ذرائع یا اس کی قدرتی خصوصیات کو نقصان پہنچا سکتا ہو۔ اسلام نے ان افراد کو اللہ کی ناراضگی اور لعنت کا حقدار قرار دیا ہے جو پانی اور اس کے ذرائع کو نقصان پہنچا کر اسے گندا اور آلودہ کرتے ہیں۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا الملاعن الثلاثة: البراز فی الموارد، وقارعة الطریق، والظل (سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب المواضع التی نهی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن البول فیها، رقم الحدیث: ۲۶)

"تین چیزوں میں پاخانہ، پیشاب کرنے سے بچو: پانی کی جگہوں، عام راستے میں اور سائے میں۔"

موارد کے معانی اگرچہ مسافروں کے اترنے کی جگہوں کے بھی ہیں لیکن اس سے مراد وہ جگہیں بھی ہیں جہاں سے پانی نکلتا یا گزرتا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے اور اسے گندا کرنے سے منع نہیں فرمایا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو یہ بھی سکھایا کہ بہتے ہوئے پانی کو بھی پیشاب کرنے یا گندگی پھینکنے سے آلودہ نہ کیا جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ

نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یبال فی الماء الراکد۔

(سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب النهی عن البول فی الماء الراکد)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہتے ہوئے (جاری) پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔"

علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ اگر پانی کم مقدار میں ہو اور بہتا ہو تو اس میں پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہوتا ہے، کیونکہ اس سے پانی کی حالت خراب ہو جاتی ہے۔ تاہم، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر پانی زیادہ اور جاری ہو تو اس میں پیشاب کرنے کی اجازت ہے۔ بلکہ حدیث کے الفاظ عام ہیں اور کم اور زیادہ دونوں مقداروں کو شامل کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ کم مقدار میں پیشاب کرنا مکروہ تحریمی ہے جب کہ پانی کی زیادہ مقدار میں پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

خلاصۂ کلام

دنیا میں سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کے باوجود قدرتی ماحول پر منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ زمین کے درجہ حرارت میں اضافہ، عالمی حدت اور ماحولیاتی آلودگی نے انسانی زندگی کو سنگین خطرات

میں مبتلا کر دیا ہے۔ ماحولیاتی مسائل اور ان کے حل کو انسانی بقا کا سب سے اہم مسئلہ تسلیم کیا جا رہا ہے، اور انسانوں کو ان مسائل سے نمٹنے کے لئے جامع حکمت عملی تیار کرنی ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ماحول کے تحفظ کی اہمیت پر زور دیا اور مسلمانوں کے ماحول کو نقصان دہ اثرات سے بچانے کی ترغیب دی۔ آپ ﷺ نے درخت لگانے، پانی کی بچت کرنے اور زمین کی زرخیزی کو برقرار رکھنے کی تاکید کی تاکہ قدرتی وسائل کا تحفظ ہو سکے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات سے یہ سبق ملتا ہے کہ ماحول کا تحفظ نہ صرف دینی فریضہ ہے بلکہ اس کا تعلق انسانوں کی اجتماعی فلاح سے بھی ہے۔

سیرت نبوی ﷺ میں ماحول کے تحفظ کے واضح اصول ملتے ہیں۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ، اور قدرتی وسائل کا حد سے زیادہ استعمال کرنے سے بچو۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو درختوں کی بے جا کٹائی سے منع کیا، اور جنگوں کے دوران بھی ماحول کو نقصان پہنچانے سے بچنے کی ہدایت کی۔ آپ ﷺ کی تعلیمات میں ہمیں یہ سکھایا گیا کہ زمین کا ہر حصہ انسان کے پاس امانت ہے اور اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے تاکہ اگلی نسلوں کے لئے بھی یہ وسائل دستیاب رہیں۔

سیرت نبوی ﷺ کی تعلیمات کا مقصد انسان کو ماحولیاتی توازن برقرار رکھنے اور قدرتی وسائل کے تحفظ کی ترغیب دینا ہے تاکہ ماحول میں کوئی فساد نہ پھیلے۔ ماحولیاتی تباہی سب کو متاثر کرتی ہے اور اس کے اثرات صرف موجودہ نسل تک محدود نہیں رہتے بلکہ مستقبل کی نسلوں کے لیے بھی چیلنجز پیدا کرتے ہیں۔ ہر فرد پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے علاقے کو صاف رکھے، درخت لگائے، اور قدرتی وسائل کا غیر ضروری استعمال کرنے سے بچے۔ اسلام نے ماحولیات کے تحفظ کو انسان کی ذاتی اور اجتماعی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے روزمرہ کے اعمال میں ان تعلیمات کو اپنائیں۔ سیرت نبوی اور اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ماحول کا تحفظ کرنا ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے اور اس کے نتائج نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی سامنے آئیں گے۔ جب مسلمان ماحول کی حفاظت کے اصولوں کو اپنے زندگیوں میں عملی طور پر اپنائیں گے، تو وہ نہ صرف اپنی دنیا کو بہتر بنائیں گے بلکہ اللہ کی رضا اور بخشش کے بھی مستحق ہوں گے۔

ڈیجیٹل دور میں بچوں کی تربیت
چیلنجز اور حل

محمد یوسف منہاجین

انسانی تمدن کی بنیاد ہمیشہ تربیت پر قائم رہی ہے۔ جس قوم نے تربیت کے باب میں غفلت برتی، وہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئی اور جس نے اپنی نئی نسل کے ذہن و کردار کو فکری و اخلاقی اصولوں پر استوار کیا، اس نے تاریخ کے دھارے کو اپنی سمت موڑ دیا۔ تاہم اکیسویں صدی میں جب انسانی زندگی پر ڈیجیٹل انقلاب کا غلبہ ہوا، تو تربیت کے معیارات یکسر بدل گئے۔ اب بچہ ماں باپ سے زیادہ موبائل اسکرین سے متاثر ہوتا ہے، استاد سے زیادہ یوٹیوبر اور ٹک ٹاکر کو رول ماڈل سمجھتا ہے اور حقیقی دنیا کی بجائے ایک ورچوئل دنیا میں جیتا ہے۔ آج تعلقات کی جگہ ٹیکسٹ، احساسات کی جگہ ایموجیز اور تعلیم کی جگہ معلومات کا طوفان لے چکا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں تربیت کا تصور اپنی کلاسیکی بنیادوں سے ہٹ کر ایک نئی اور پیچیدہ شکل اختیار کرتا ہے۔ والدین، اساتذہ اور مذہبی ادارے سب کو اس سوال کا سامنا ہے کہ ڈیجیٹل عہد میں بچوں کو کیسے سنبھالا جائے۔۔۔؟ انھیں علم کے ساتھ کردار کی روشنی بھی کیسے دی جائے۔۔۔؟ اُنہیں جدیدیت میں گم ہونے سے کیسے بچا کر انسانی و ایمانی توازن کی راہ پر رکھا جائے۔۔۔؟

ڈیجیٹل دنیا نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ آج کے بچے ایک ایسی دنیا میں آنکھ کھول رہے ہیں جہاں موبائل فون، ٹیبلٹس، انٹرنیٹ، سوشل میڈیا اور آن لائن گیمنگ ان کے

روزمرہ کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس ڈیجیٹل انقلاب نے جہاں سہولتیں فراہم کی ہیں، وہیں تربیتی بحران بھی جنم دیا ہے۔ بچوں کے مزاج، رویّے، ذہنی ارتقاء، مذہبی و اخلاقی اقدار اور والدین سے تعلق، سب کچھ اس نئی طرزِ زندگی سے متاثر ہو رہا ہے۔ آج کا بچہ ایک ایسی دنیا میں آنکھ کھولتا ہے جہاں معلومات کی بھرمار ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جہاں گھر کے دروازے سے لے کر بچے کے ذہن تک ہر چیز ایک دوسرے سے جڑی (connected) ہے۔ ٹی وی، ٹیب، موبائل، لیپ ٹاپ، سوشل میڈیا، یہ سب اس ماحول کے بنیادی ستون بن چکے ہیں۔ ڈیجیٹل میڈیا نے بلاشبہ علم و آگہی کے دروازے کھول دیے ہیں، بچوں کو لامحدود معلومات تک رسائی حاصل ہے، ان کی ذہنی وسعت بڑھی ہے، تجسس پیدا ہوا ہے اور تعلیم کے نئے امکانات سامنے آئے ہیں لیکن اسی سہولت نے فکری و اخلاقی انحرافات کے نئے دروازے بھی کھول دیے۔ اب وہی آلہ جو علم دیتا ہے، بسا اوقات کردار چھین لیتا ہے اور وہی اسکرین جو دنیا دکھاتی ہے، حقیقت سے دور لے جاتی ہے۔

بچوں پر ڈیجیٹل دور کے منفی اثرات

ماہرینِ نفسیات کے مطابق، ڈیجیٹل میڈیا کا زیادہ استعمال بچوں میں توجہ کی کمی، اضطراب، نیند کی خرابی، غصہ، تنہائی اور احساسِ کمتری پیدا کرتا ہے۔ یہ اثرات محض جسمانی یا نفسیاتی نہیں بلکہ اخلاقی سطح تک سرایت کر چکے ہیں۔ بچے کے رویے میں ضد، خود مرکزیت، خود پسندی، بے صبری اور اندھی تقلید بڑھتی جا رہی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اسکرین نے ان کے شعور پر حکومت قائم کر لی ہو۔ زیر نظر تحریر میں اس امر کا جائزہ لیا جائے گا کہ اس ڈیجیٹل دور میں بچوں پر کس طرح کے منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور والدین و اساتذہ بچوں کو ان منفی اثرات سے کس طرح محفوظ کر سکتے ہیں:

(۱) اخلاقی زوال

ڈیجیٹل میڈیا کا سب سے گہرا اثر بچے کے اخلاقی شعور پر پڑتا ہے۔ جہاں پہلے بچے والدین اور اساتذہ سے ''اقدار'' سیکھتے تھے، اب وہ انٹرنیٹ پر غیر مرئی شخصیات سے متاثر ہوتے ہیں جن کے اخلاقی معیارات مشکوک ہوتے ہیں۔ وہ فیشن، تفریح اور Likes کی دوڑ میں اپنی اصل کو بھول جاتے ہیں۔ یوں نفس ان کا رہنما بن جاتا ہے، جبکہ قرآن خبردار کرتا ہے:

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (الفرقان: ۴۳)

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے۔''

یہی آیت آج کے ڈیجیٹل انسان کی تصویر بن چکی ہے. ایک ایسی نسل جو اپنی خواہشات اور الگورتھم کی غلام ہے۔

(۲) خاندان میں رابطے کا بحران

ڈیجیٹل دنیا نے بظاہر لوگوں کو قریب کیا ہے مگر حقیقت میں دلوں کو دور کر دیا ہے۔ گھر میں سب ایک ہی چھت کے نیچے ہیں، مگر ہر کوئی اپنی اسکرین میں گم ہے۔ بات چیت کے لمحات کم ہو گئے ہیں، مشترکہ احساسات سرد پڑ گئے ہیں اور تربیت کا سب سے بڑا ذریعہ "گفتگو اور مشاہدہ" تقریباً ختم ہوتا جا رہا ہے۔ یہی وہ لمحہ ہے جہاں والدین کا کردار سب سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ اسلام نے تربیتِ اولاد کی صرف نصیحت نہیں کی بلکہ حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

" اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔" (التحریم:٦)

حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

علموا انفسکم و اھلکم الخیر، و ادبوھم

"اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو بھلائی (یعنی دین و علم) سکھاؤ اور ادب کا عادی بناؤ۔"

علم اور ادب؛ یہی دو ستون ہیں جن پر اسلامی تربیت کھڑی ہے۔ مگر ڈیجیٹل کلچر میں علم تو مل رہا ہے، ادب ناپید ہے۔ بچہ معلومات سے بھرپور ہے مگر حکمت اور شعور سے خالی۔ یہی عدمِ توازن آج کے تربیتی بحران کی اصل جڑ ہے۔

(۳) سوشل میڈیا کا نفسیاتی دباؤ

سوشل میڈیا نے کم عمری ہی میں بچوں کو موازنہ اور مسابقت کے شکنجے میں جکڑ دیا ہے۔ ہر بچہ اپنی خوشی، خوبصورتی یا کامیابی کو دوسروں کے معیار پر تولتا ہے۔ یہی موازنہ رفتہ رفتہ احساسِ کمتری، بے چینی اور خود سے نفرت میں بدل جاتا ہے۔ ماہرین کے مطابق، 13 سے 17 سال کے وہ بچے جو دن میں 3 گھنٹے سے زیادہ سوشل میڈیا استعمال کرتے ہیں، ان میں Depression اور Anxiety کے امکانات 60 فیصد زیادہ ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے انسان کی اصل قدر اس کے اخلاق اور نیت میں ہے، نہ کہ اس کی شکل، لباس یا فالورز میں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم

"اللہ تمہاری شکلوں اور مال کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔" (صحیح مسلم)

یہ حدیث دراصل اس فکری بیماری کا علاج ہے جو سوشل میڈیا نے بچوں کے ذہن میں پیدا کر دی ہے۔ اگر والدین اس پیغام کو تربیت کا حصہ بنالیں تو بچوں میں خود اعتمادی اور فطری وقار بحال ہو سکتا ہے۔

(۴) علم کی بہتات مگر تربیت کا فقدان

ڈیجیٹل دنیا نے ''علم'' کو بے حد آسان بنا دیا ہے، لیکن ''تربیت'' کو تقریباً ناممکن کر دیا ہے۔ علم صرف معلومات کا نام نہیں بلکہ عمل، شعور اور ضبط کا نام ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر میں علم وہی معتبر ہے جو کردار میں جھلکے مگر آج کا تعلیمی نظام اور ڈیجیٹل کلچر بچے کو جاننے والا تو بنا رہا ہے مگر عمل کرنے والا اور اخلاق و کردار کا پیکر نہیں بنا رہا۔ نتیجہ یہ ہے کہ بچہ ذہین ضرور ہے، مگر اس کے اندر ضبط، حیا، صبر اور قربانی کی صفات کمزور پڑ چکی ہیں۔

(۵) اسلامی تہذیب سے بے اعتنائی

ڈیجیٹل کلچر ایک نئی تہذیب تخلیق کر رہا ہے۔ ایسی تہذیب جس میں ''میں'' مرکزی ہے اور ''ہم'' معدوم۔ جہاں اشتراک کی جگہ انفرادیت۔۔۔ ایثار کی جگہ خود غرضی۔۔۔ ایمان کی جگہ مفاد نے لے لی ہے۔ اسلام نے تربیت کو محض اخلاقی نہیں بلکہ تہذیبی فریضہ قرار دیا ہے۔ آج اسلامی تعلیمات؛ عقیدہ، عبادت، والدین کا احترام، عدل، حلم اور تواضع کا وجود معاشرہ سے ختم ہو رہا ہے۔ جدید ڈیجیٹل کلچر نے اس تسلسل کو توڑ دیا ہے۔ اب عقیدہ کی جگہ تفریح۔۔۔ عبادت کی جگہ مشغولیت۔۔۔ اور ضبط کی جگہ جلد بازی نے لے لی ہے۔

ڈیجیٹل عہد نے تربیت کو نئے امکانات کے ساتھ نئے خطرات بھی دیے ہیں۔ اگر والدین اور اساتذہ اس تبدیلی کو محض ''خطرہ'' سمجھ کر اس سے منہ موڑ لیں گے، تو نئی نسل ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی اور اگر وہ اس چیلنج کو حکمت کے ساتھ موقع بنالیں، تو یہی ڈیجیٹل دنیا تربیتِ کردار کا ایک مؤثر میدان ثابت ہو سکتی ہے۔ اسلام ہمیں توازن کا درس دیتا ہے۔ نہ جدیدیت سے فرار، نہ اس کی اندھی تقلید بلکہ اس کے اندر رہ کر ایمان، اخلاق اور علم کو ہم آہنگ کرنا۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے حل کا سفر شروع ہوتا ہے۔

ڈیجیٹل دور میں والدین کا کردار

ڈیجیٹل میڈیا نے اخلاقی قدروں کو شدید چیلنج دیا ہے۔ سوشل میڈیا پر موجود غیر اخلاقی مواد، فحش مناظر اور لایعنی مواد بچوں کی فکری ساخت کو متاثر کرتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں تربیت کی اصل جنگ شروع ہوتی ہے۔ والدین اگر اپنے بچوں کو ''غلطی کے بعد سزا'' دینے کی بجائے ''غلطی سے پہلے

سمجھانے'' کی روش اپنائیں تو اصلاح کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ گویا محض ممانعت کافی نہیں، بلکہ تربیت کو ڈیجیٹل سمجھ بوجھ کے ساتھ جوڑنا ضروری ہے۔ آج والدین کے لیے بچوں کی محض نگرانی کافی نہیں، بلکہ سمجھ بوجھ کے ساتھ رہنمائی درکار ہے۔ ماہرین نفسیات کے مطابق، والدین بچوں کی درج ذیل چار بنیادی اصولوں کے مطابق رہنمائی کریں:

۱۔ اشتراک: والدین بچوں کی آن لائن سرگرمیوں میں دلچسپی لیں۔

۲۔ رہنمائی: انہیں اچھے مواد کی پہچان سکھائیں۔

۳۔ نگرانی: غیر مناسب مواد سے بچانے کے لیے نگرانی کریں۔

۴۔ عملی نمونہ: خود بھی موبائل و سوشل میڈیا کا محتاط استعمال کریں۔

جب والدین اپنی آن لائن سرگرمیوں میں ضبط، حدود اور اخلاقی اصول اپنائیں گے، تبھی بچے بھی ان اصولوں کو فطری طور پر اپنائیں گے۔ اسلام کا بنیادی اصول ''اعتدال'' ہے۔ ڈیجیٹل تربیت میں بھی یہی اصول کارفرما ہونا چاہیے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ ''ڈیجیٹل شیڈول'' ترتیب دیں۔ مثلاً:

۱۔ مطالعہ، کھیل اور خاندانی گفتگو کے لیے وقت مخصوص کریں۔

۲۔ کھانے کے دوران یا سونے سے پہلے موبائل استعمال کی ممانعت۔

۳۔ انٹرنیٹ کے استعمال کے لیے واضح حدود طے کریں۔

یہ حدود اگر محبت اور مکالمہ کے ساتھ طے کی جائیں تو بچے انہیں بوجھ نہیں بلکہ نظم کا حصہ سمجھتے ہیں۔

ڈیجیٹل دور میں اساتذہ اور تعلیمی اداروں کا کردار

مدارس، اسکولز اور اسلامی مراکز کو چاہیے کہ وہ ''ڈیجیٹل تربیت'' کو نصاب کا حصہ بنائیں۔ یہ تربیت صرف ''کمپیوٹر تعلیم'' نہیں بلکہ ''ڈیجیٹل اخلاقیات'' (Digital Ethics) کا شعور ہے۔ اساتذہ اگر بچوں کو قرآن و سیرت کی روشنی میں ٹیکنالوجی کے صحیح استعمال کی راہ دکھائیں، تو یہی علم محفوظ اور مثبت بن سکتا ہے۔ بچوں کو قرآن کے ساتھ آن لائن زندگی کے آداب بھی سکھائے جانا بہت ضروری ہے اور اس سمت میں علمی مکالمہ اور نصابی اصلاح ناگزیر ہے۔ ڈیجیٹل دنیا میں تربیت کا مقصد صرف ''کنٹرول'' نہیں بلکہ ''کردار سازی'' ہے۔ اسلامی اخلاقیات میں تین بنیادی عناصر ہیں:

۱۔ صدق: سچائی پر قائم رہنا چاہیے۔ آن لائن ہو یا آف لائن۔

۲۔ امانت: معلومات، تصاویر یا پیغامات میں دیانتداری۔

۳۔ حیا: اپنی آن لائن شناخت میں وقار اور حدود کی پاسداری۔

سوشل میڈیا پر خود نمائی، دوسروں کی تضحیک یا غیر ضروری تبصرے، یہ سب اخلاقی کمزوری کی علامات ہیں۔ قرآن وسنت میں ان رویوں کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیصمت

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

”جس نے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھا، وہ بھلائی کی بات کرے یا خاموش رہے۔“

یہ حدیث دراصل ڈیجیٹل ابلاغیات کا پہلا اصول ہے کہ بولنے سے پہلے سوچو۔۔۔ لکھنے سے پہلے پرکھو۔

اسی طرح ڈیجیٹل شور وشر کے اس زمانے میں روحانی سکون کی تربیت بہت ضروری ہے۔ روزانہ کچھ وقت اس ڈیجیٹل دنیا سے لاتعلق ہو کر گزاریں اور اس وقت کو؛ قرآن مجید کی تلاوت، نعت رسول مقبول ﷺ، ذکرِ الٰہی، اجتماعی دعا یا وعظ و نصیحت کے لئے مختص کریں۔ یہ لمحات بچوں کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ زندگی صرف اسکرین تک محدود نہیں بلکہ انسان کی روح، تعلقات اور عبادات میں بھی ایک جہان آباد ہے۔

ڈیجیٹل دور نے والدین اور اساتذہ کے سامنے ایک نیا امتحان رکھ دیا ہے۔ اب تربیت محض نصیحت نہیں، بلکہ ” ڈیجیٹل فہم “ کا مطالبہ کرتی ہے۔ بچوں کو روکنے سے زیادہ انہیں سمجھانا اور ان کی آن لائن دنیا میں شریک ہونا ضروری ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ تربیت صرف دنیاوی نظم کا نہیں بلکہ روحانی ارتقاء کا عمل ہے۔ قرآن، سنت اور جدید علمِ نفسیات تینوں اس بات پر متفق ہیں کہ بچہ دیکھ کر سیکھتا ہے۔ لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے محفوظ، باشعور اور باکردار شہری بنیں، تو ہمیں خود ”ڈیجیٹل شعور“ کے علمبردار بننا ہوگا۔ ڈیجیٹل دنیا کی برق رفتاری ہمیں خوفزدہ نہیں بلکہ محتاط بننے کی دعوت دیتی ہے۔ یہ وقت ہے کہ ہم اسلامی تربیت کے اصولوں کو جدید سائنسی فہم کے ساتھ مربوط کریں تاکہ ڈیجیٹل نسل کے ہاتھوں میں موجود اسکرین ایک وسیلۂ خیر بن جائے، نہ کہ ذریعۂ زوال۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب دل؛ ایمان اور عقل شعور کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔ یہی تربیت کا مقصد ہے اور یہی ڈیجیٹل دور میں والدین اور اساتذہ کی اصل ذمہ داری۔

منہاج القرآن انٹرنیشنل اور ڈیجیٹل دور میں بچوں کی جامع تربیت کا اہتمام

جدید ڈیجیٹل دنیا میں جب بچہ ایک ایسے ماحول میں پروان چڑھ رہا ہے جہاں اس کی توجہ، سوچ، ترجیحات اور احساسات سب ٹیکنالوجی کے دائرے میں مقید ہو چکے ہیں، وہاں تربیت محض ایک گھریلو فریضہ نہیں رہی بلکہ ایک ہمہ گیر سماجی، فکری اور روحانی ذمہ

داری بن چکی ہے۔ جدید دور کے چیلنجز میں سب سے بڑی آزمائش شاید یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو محض پڑھا تو دیتے ہیں، مگر ان کی تربیت پر وہ توجہ نہیں دے پاتے جو انسان سازی کے لیے ضروری ہے۔

اسی خلا کو پر کرنے کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ایک ایسا جامع نظامِ تعلیم و تربیت قائم کیا ہے جو جدید تقاضوں کے ساتھ روحانی، اخلاقی، سیرتی اور فکری تربیت کا حسین امتزاج ہے۔ یہی نظام آج منہاج القرآن انٹرنیشنل کے زیرِ اہتمام دنیا بھر میں لاکھوں بچوں اور نوجوانوں کی شخصیت کو قرآنی واخلاقی سانچے میں ڈھال رہا ہے۔

ایک ایسا نظام جو دین، علم، اخلاق اور عصری شعور کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔ شیخ الاسلام نے ہمیشہ اس حقیقت پر زور دیا کہ اگر تربیت؛ ایمان اور علم کی بنیاد پر نہ ہو تو ٹیکنالوجی ترقی کا ذریعہ نہیں بلکہ بگاڑ کا سبب بن جاتی ہے۔ انہوں نے بچوں کی تربیت کو؛ عبادت، صدقۂ جاریہ اور ملت کی بقا کا فریضہ قرار دیا۔ ان کی یہ فکر محض نظریاتی نہیں بلکہ عملی شکل میں منہاج القرآن کے مختلف اداروں، منصوبوں اور پروگرامز کے ذریعے جلوہ گر ہے۔

منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کے تحت چلنے والے اسکولز ہوں یا منہاج تحفیظ القرآن انسٹی ٹیوٹس ان میں طلبہ کو جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت کی روشنی میں کردار سازی کا نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ یہاں تعلیم کو محض حصولِ نوکری نہیں بلکہ خدمتِ انسانیت اور تعمیر اخلاق کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح حفظ کے ساتھ فہمِ دین، اخلاقی طرزِ زندگی اور عملی دینداری پر بھی بھرپور توجہ دی جاتی ہے۔

اسی تربیتی تسلسل کو آگے بڑھانے کے لیے مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ اور منہاج یوتھ لیگ جیسے پلیٹ فارمز قائم کیے گئے ہیں، جہاں طلبہ اور نوجوانوں کی شخصیت سازی کے لیے علمی مقابلے، فکری نشستیں، اخلاقی ورکشاپس اور آن لائن کورسز کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ ان سرگرمیوں کا مقصد یہ ہے کہ نئی نسل نہ صرف دین سے وابستہ ہو بلکہ وہ ڈیجیٹل ٹولز کو مثبت انداز میں استعمال کرنے کا شعور بھی حاصل کرے۔

اس کے ساتھ ساتھ ”منہاج ویمن لیگ“ کے تحت ماؤں کی تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے، کیونکہ ایک باعلم، باشعور اور باکردار ماں ہی بچے کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے۔ تربیتی ورکشاپس، لیکچرز اور آن لائن سیشنز کے ذریعے خواتین کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ ڈیجیٹل دور میں اپنے بچوں کی فکری اور اخلاقی حفاظت کیسے کی جائے۔

منہاج القرآن ویمن لیگ کے تحت چلنے والا Eagers Department دراصل شیخ الاسلام کے اس خواب کی تعبیر ہے جس میں اسلامی معاشرے کی بنیاد صالح ماؤں کی تربیت سے جڑی ہوئی ہے۔ اس شعبہ کے زیراہتمام بچوں کو سیرتِ رسول ﷺ، قرآن فہمی، عبادات، آدابِ زندگی، اور اخلاقیات کو دلچسپ انداز میں سکھایا جاتا ہے۔ Peace Circles اور Kids Festivals کے ذریعے امن، بھائی چارے، اور انسانی محبت کے جذبات پروان چڑھائے جاتے ہیں۔ Hadith Camps اور Sunnah Learning Sessions میں بچوں کو روزمرہ سنتیں (کھانے، گفتگو، وضو، نیند، دعا) عملی انداز میں سکھائی جاتی ہیں۔ میلاد اور اعتکاف کے پروگرامز میں بچوں کو شرکت کا موقع دے کر انہیں اجتماعی دینی فضا سے مانوس کیا جاتا ہے۔ الغرض ایگرزڈیپارٹمنٹ نے ہزاروں بچوں کو اعتماد، اخلاق، علم اور ایمان سے مزین کیا ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اپنی تحریروں، خطابات اور نصاب سازی کے ذریعے واضح کیا ہے کہ اگر ہم نئی نسل کو ایمان، علم، کردار اور ضبطِ نفس کے اصولوں پر تربیت دیں تو جدید ٹیکنالوجی ایک چیلنج نہیں بلکہ دعوت و اصلاح کا جدید ذریعہ بن سکتی ہے۔

یہ تمام اقدامات مل کر ایک ایسے تربیتی فلسفہ کی تشکیل کرتے ہیں جو نہ ماضی سے کٹتا ہے، نہ حال سے بھاگتا ہے، بلکہ اسلام کے آفاقی اصولوں کو جدید دنیا کے تقاضوں

سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ منہاج القرآن آج کے ڈیجیٹل عہد میں تربیتِ اطفال کے لیے ایک مینارۂ نور بن چکا ہے۔ایک ایسا ماڈل جو امتِ مسلمہ کے والدین اور اساتذہ کو یہ یقین دلاتا ہے کہ اگر تربیت؛ قرآن، محبتِ رسول ﷺ اور اخلاقی بصیرت کے ساتھ کی جائے تو نئی نسل نہ صرف محفوظ رہ سکتی ہے بلکہ وہی اس امت کے فکری معمار اور روحانی وارث بن سکتی ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ہمیشہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ”تعلیم کا مقصد صرف معلومات کا حصول نہیں بلکہ کردار سازی ہے۔“ اسی فکر کے تحت منہاج القرآن نے اپنے تمام تربیتی اداروں میں ایسا ماحول پیدا کیا ہے جہاں علم و اخلاق، نصاب و روح، تعلیم و تزکیہ ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہیں۔ شیخ الاسلام کے نزدیک بچوں کی تربیت کے یہ درج ذیل بنیادی اصول کامیابی کی ضمانت ہیں:

۱۔ علم کے ساتھ عمل: تعلیم صرف نصابی نہیں بلکہ عملی تربیت کے ساتھ ہو۔

۲۔ روحانیت کے ساتھ عقل: ایمان اور فہم دونوں کو توازن کے ساتھ پروان چڑھایا جائے۔

۳۔ محبتِ رسول ﷺ کو مرکز بنانا: تاکہ اخلاق و کردار میں نرمی، رحم اور عدل پیدا ہو۔

۴۔ جدید ٹیکنالوجی کا مثبت استعمال: ڈیجیٹل دور میں بھی تربیت کے ذرائع جدید انداز میں اپنائے جائیں۔

منہاج القرآن کے ان پروگراموں کے ثمرات واضح ہیں کہ بچے قرآن، سیرت اور اخلاق سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں والدین کے ساتھ ادب و احترام کا رویہ فروغ پا رہا ہے۔ بچے موبائل اور ڈیجیٹل میڈیا کو صرف تفریح نہیں بلکہ علم و دین کی خدمت کے لیے استعمال کرنے لگے ہیں اور منہاج القرآن کے تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے طلبہ اپنی سیرت و کردار کے سبب نمایاں ہوتے ہیں۔

یہ وہ وژن ہے جو نہ صرف پاکستان بلکہ پوری امت کے بچوں کو قرآنی تہذیب کا وارث بنا سکتا ہے۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل نے اپنی انتھک کوششوں سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر نیت خالص ہو اور رہنمائی قرآنی ہو تو جدید دور کے ہنگاموں میں بھی اخلاق، ایمان اور علم کی شمع روشن رکھی جا سکتی ہے۔ آج بچوں کی تربیت کے حوالے سے منہاج القرآن تمام والدین، اساتذہ اور معاشرہ کے لیے ایک روشن مثال ہے کہ بچوں کی تربیت کا سفر صرف کتابوں سے نہیں، بلکہ محبت، ذکر، علم اور عمل سے شروع ہوتا ہے۔

معاشرتی ہم آہنگی کیلئے تحمل اور برداشت کی اہمیت

عبدالستار منہاجین

جب ہمیں کسی سے اختلاف ہو تو ہمیں چاہئے کہ اسے برداشت کریں اور اپنا نکتہ نظر ہمیشہ خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کریں، اپنا موقف زبردستی منوانے کی کوشش نہ کریں، تسلیم کرنا نہ کرنا اس پر چھوڑ دیں۔ اس کا موقف کسی بے بنیاد دلیل پر ہو تو صرف دلیل کو بے بنیاد ثابت کریں، دلیل کو نہ جانچ سکنے کی وجہ سے اس شخص کی ناقص صلاحیت پر تبصرہ نہ کریں۔ اس کا موقف خلطِ مبحث لگے تو اسے منظم انداز دے کر پہلے اسے مطمئن کریں کہ آپ اس کی بات کو مکمل سمجھ گئے ہیں، اس کے بعد اسی نظم کے ساتھ اس کی دلیل کا رد پیش کرتے ہوئے اپنا نکتہ نظر پیش کریں۔ اس کا موقف دیوانگی لگے یا عقل کے پیمانے سے ماوراء ہو تو اسے معذور سمجھ کو مزید بحث سے اجتناب کریں۔ اس کا موقف خوش فہمی یا بچگانہ خواہش لگے تو اسے دعا دیں کہ اللہ اس کی خواہش کو پورا فرمائے۔ اگر مد مقابل جارحانہ انداز اپنائے تو ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے اپنے موقف کو انتہائی تحمل کے ساتھ مختلف الفاظ میں دہرا کر اسے اختلاف کا حق دیتے ہوئے معاملہ ختم کر دیں، وہ غلط موقف پر ڈٹا رہے تو بھی اسے اس کا حق دیں، اپنے موقف کو چھوڑے بغیر حکمت کے ساتھ بحث کا خاتمہ کر دیں۔

وہ افسانہ جسے انجام تک لانا نہ ہو ممکن
اسے اک خوبصورت موڑ دے کر چھوڑنا اچھا

اِختلافِ رائے کے فضائل بیان کرتے ہوئے صرف اپنے نکتۂ نظر پر اِصرار کرتے چلے جانا اور دوسرے کے نکتۂ نظر کو درخورِ اعتناء نہ سمجھنا ہمیں کبھی حقیقت تک نہیں پہنچا سکتا۔ ایک ہی منظر کو مختلف زاویوں سے دیکھنے والے لوگ مختلف نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور عموماً اُسی پر بضد رہتے ہیں، اختلافی نکتۂ نظر کے جواز پر شد و مد کے ساتھ زور دینے والے بھی دوسرے کا نکتۂ نظر گوارا نہیں کرتے۔ اگر ہم اِختلاف کا فائدہ اُٹھا کر کسی معاملے کے سارے پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد لیں تو وہ ہمارے لئے رحمت بن جاتا ہے، جبکہ اگر ہم صرف اپنے ہی نکتۂ نظر کے درست ہونے پر اِصرار کریں اور دوسروں کے نکتۂ نظر کو غلط قرار دیتے ہوئے اُنہیں بدنیت قرار دینے لگیں تو ایسا اِختلاف رحمت کی بجائے زحمت اور فتنہ بن جاتا ہے۔

یاد رکھیں! جو جس زاویۂ نگاہ سے دیکھتا ہے وہ اُسی نکتۂ نظر سے بات کرتا ہے اور اُسی کو حق سمجھتا ہے۔ اکیلا بندہ ایک ہی وقت میں ایک معاملہ یا ایک چیز کو ہر طرف سے نہیں دیکھ سکتا۔ جب ہر کوئی اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے دیکھی ہوئی معلومات کو دوسروں کے ساتھ شیئر کرے گا تو تمام کو اس معاملہ کے چاروں اَطراف کی خبر ہو گی۔

اگر ہم اِختلاف کا فائدہ اُٹھا کر کسی معاملے کے سارے پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد لیں تو وہ ہمارے لئے رحمت بن جاتا ہے، جبکہ اگر ہم صرف اپنے ہی نکتہ نظر کے درست ہونے پر اِصرار کریں اور دوسروں کے نکتہ نظر کو غلط قرار دیتے ہوئے اُنہیں بدنیت قرار دینے لگیں تو ایسا اِختلاف رحمت کی بجائے زحمت اور فتنہ بن جاتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان: ''میری اُمت کا اِختلاف باعثِ رحمت ہے''، یہ اختلاف اُس وقت تک رحمت رہتا ہے جب تک ہم دوسرے کے نکتۂ نظر (یعنی پوائنٹ آف ویو) کا اِحترام کریں اور اُس کا فائدہ اُٹھائیں۔ لیکن اگر ہم دوسرے کے زاویۂ نگاہ کو سمجھنے کی بجائے اُسے ماننے سے اِنکار کر دیں تو وہی اِختلاف رحمت کی بجائے زحمت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ گویا اِختلافِ رائے اُس وقت تک باعثِ برکت ہوتا ہے جب تک ہم اپنی رائے دوسروں کو زبردستی منوانا نہیں شروع کر دیتے۔ ہماری رائے کا اِختلاف ہمیشہ ہمارے زاویۂ نگاہ، نکتۂ نظر، پوائنٹ آف ویو کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ سب الفاظ ہمیں اِختلاف کی حکمت اور اُس کا فائدہ سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

اختلافی نکتہ نظر پیش کرتے وقت جوش کو کبھی ہوش پر غالب نہ آنے دیں۔ دوسرے کی پوری بات تحمل کے ساتھ سنیں اور اس کا جملہ کاٹے بغیر بات مکمل کرنے دیں۔ اپنے موقف کو کبھی حتمی قرار نہ دیں، صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات حتمی ہوتی ہے، ہم انسان سب کے سب خطا کے

پتلے ہیں۔ بحث طول پکڑ جائے تو اس میں شدت آ جاتی ہے اور دونوں طرف سے بعض ایسے الفاظ استعمال ہو جاتے ہیں کہ اسے مزید جاری رکھنے سے گالم گلوچ شروع ہونے کا خدشہ ہوتا ہے، اور آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر مستقبل میں کبھی دونوں میں سے ایک شخص اپنی دلیل کا بے بنیاد ہونا جان بھی لے تو پہلے جیسے تعلقات بحال نہیں ہو سکتے، چنانچہ اختلافی نکتہ نظر پیش کرتے وقت کبھی جذباتی مت ہوں۔

عام طور پر ہم اپنی روزمرہ گفتگو کے دوران محض چند سو الفاظ ہی استعمال کرتے ہیں، جبکہ لغات میں موجود ہزارہا دیگر الفاظ کبھی ہمارے استعمال میں نہیں آتے۔ ماہرین نفسیات کا یہ کہنا ہے کہ انسان گالی عموماً اس وقت دیتا ہے جب اسے اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کیلئے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔ حتیٰ کہ گالی گلوچ سے اِحتراز کرنے والے پڑھے لکھے افراد بھی مناسب الفاظ نہ ملنے پر مدمقابل پر طنز کے تیر برسانے لگتے ہیں۔ اگر ہم اختلاف کے انجام کو گالی گلوچ یا طنز تک پہنچنے سے بچانا چاہتے ہیں تو اپنے ذخیرہ الفاظ میں جس قدر ممکن ہو اضافہ کریں۔ اختلاف کے باوجود الفاظ کا چناؤ بہترین رہنا چاہیے، اس کیلئے ضروری ہے کہ ہم اپنے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کریں۔

شدت پسندی، سماجی زوال اور مناظرانہ ماحول

جہالت، تعصب، شدت پسندی اور تکفیریت کا جو بیج برسوں پہلے بویا گیا تھا، وہ آج ایک تناور درخت بن چکا ہے۔ اس کی زہریلی شاخیں نفرت، عدم برداشت، اور بدتمیزی کی صورت میں پورے

معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہیں۔ بد قسمتی سے اب کوئی سیاسی جماعت ہو یا مذہبی، کوئی طبقۂ فکر ہو یا تعلیمی و سماجی ادارہ — کوئی بھی اس کے مہلک اثرات سے مکمل طور پر محفوظ نہیں۔ ان شدت پسندوں کے ہاں اختلافِ رائے کو دشمنی سمجھا جاتا ہے، تنقید کو کفر اور غداری کا درجہ دے دیا گیا ہے، اور مکالمے کی جگہ الزام تراشی اور گالم گلوچ نے لے لی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ معاشرے میں انتشار، خلفشار، اور اخلاقی زوال کا ایک اندھیرا چھا چکا ہے۔

مناظرانہ ماحول میں پروان چڑھنے والی قوم کی علمی و فکری تربیت مکالمے، تحقیق اور سچ کی تلاش پر نہیں، بلکہ بحث برائے بحث، انا کی تسکین اور دوسروں کو نیچا دکھانے پر ہوتی ہے۔ ایسے معاشروں میں بات سننے، سمجھنے اور سیکھنے کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے، اور ہر فرد خود کو ''حق'' پر اور باقی سب کو ''باطل'' سمجھنے لگتا ہے۔ مناظرانہ کلچر کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ دلیل کو زورِ بیان اور شور و غوغا میں دفن کر دیتا ہے۔ گفتگو کا مقصد مسئلے کا حل یا سچائی تک پہنچنا نہیں ہوتا، بلکہ مدمقابل کو شکست دینا، اُس کی تضحیک کرنا اور داد و تحسین حاصل کرنا بن جاتا ہے۔ جدید دور میں سوشل میڈیا پر زیادہ سے زیادہ فالورز حاصل کرنا اور اپنی پوسٹس پر لائیکس اور کمنٹس دیکھ کر خوش ہونا ہی منزل مقصود قرار پاتا ہے۔

اس طرزِ فکر نے ہمیں ایک ایسا معاشرہ بنا دیا ہے جہاں؛ سننے کا حوصلہ ناپید ہو چکا ہے، تنقید برداشت نہیں کی جاتی، اختلافِ رائے کو دشمنی سمجھا جاتا ہے، اور اخلاقی اقدار زوال پذیر ہو چکی ہیں۔

یہ رویہ صرف عوام تک محدود نہیں رہا بلکہ علمی، مذہبی اور سیاسی قیادتوں تک میں بھی خوب اچھی طرح سرایت کر چکا ہے۔ مذہبی اور سیاسی قیادتیں اور ان کے پیروکار اِسی روِش پر چلے جا رہے ہیں۔ میڈیا، منبر اور سوشل میڈیا — ہر جگہ مناظرے، مقابلے، الزامات اور جوابی حملوں کی فضا قائم ہے۔ اس ماحول کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ نوجوان نسل تحقیق، مطالعہ اور کردار سازی کے بجائے لفظی جنگوں اور دلائل کے ہتھیاروں میں اپنی صلاحیتیں ضائع کر رہی ہے۔

دعوت کے دوران کیا اُسلوب اپنائیں؟

کسی بھی فکری و انقلابی تحریک کی بقاء، وسعت اور اثرپذیری کا اِنحصار صرف اُس کے نظریاتی خدوخال پر نہیں ہوتا، بلکہ اُس اُسلوبِ دعوت و تبلیغ پر بھی ہوتا ہے، جس کے ذریعے وہ پیغام دلوں تک منتقل کیا جاتا ہے۔ اُسلوب محض اِظہار کا طریقہ نہیں، بلکہ وہ آئینہ ہوتا ہے جو قیادت کے شعور، اَخلاق اور اُس کی تربیت کو منعکس کرتا ہے۔ جب دعوتی اُسلوب میں وقار، دلیل اور حکمت ہو تو پیغام دلوں میں

اُترتا ہے۔ لیکن اگر دعوت کا یہ انداز سطحی، مناظرانہ، اور تحقیر آمیز ہو جائے تو وہی پیغام رد و انکار کا شکار ہو جاتا ہے، چاہے اُس میں کتنی ہی صداقت کیوں نہ ہو۔

بد قسمتی سے عصرِ حاضر کی سوشل میڈیا ثقافت میں فالورز، لائیکس، شیئرز اور وقتی مقبولیت کی دوڑ نے سنجیدہ دعوتی مزاج کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ بعض افراد نادانستہ طور پر اپنی فکر اور پیغام کے فروغ کے اِرادے سے ایسا مناظرانہ لب و لہجہ اِختیار کر لیتے ہیں جس میں مخالفین کو للکارا جاتا ہے، طعن و تشنیع کی زبان اِستعمال کی جاتی ہے اور مخالفانہ فکری آراء کا جواب علمی حکمت کی بجائے جذباتی شدت سے دیا جاتا ہے۔ یہ طرزِ عمل دعوتی عمل کے دروازے پر ایک غیر محسوس قسم کی رکاوٹ بھی بن جاتا ہے۔

یاد رکھئے! مناظرے میں شکست کبھی دل میں قبولیت کا جذبہ پیدا نہیں کرتی۔ دلیل سے قائل کیا جا سکتا ہے، لیکن للکار سے صرف رد اور اِنتقام جنم لیتا ہے۔ اسلام کی حقیقی تعلیمات کے فروغ کے لئے دی جانے والی مصطفوی مشن کی دعوت معاشرے کے ہر طبقے تک پہنچانے اور لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنانے کے لئے ہمیں اپنے کردار و عمل میں درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا ہو گا:

۱۔ وقار و سنجیدگی
۲۔ فکری گہرائی
۳۔ دلیل و حکمت
۴۔ حسنِ اخلاق اور حلم

اور سب سے بڑھ کر قرآنی الفاظ میں؛ حکمت، موعظتِ حسنہ اور جدالِ احسن پر عمل پیرا ہونا ہو گا۔

یہی وہ اُسلوب اور انداز ہے جو اِختلاف کو مکالمے میں بدلتا ہے اور دشمنی کو فکری اِحترام میں ڈھال دیتا ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ مصطفوی مشن کی دعوت دیتے ہوئے نہ صرف سچائی اور صداقت کو تھامنا ہو گا بلکہ سچ کو سلیقے سے بھی پیش کرنا ہو گا۔ اسی صورت کامیاب ممکن ہو سکتی ہے۔ جب ہم اس اُسلوب سے ہٹ جاتے ہیں تو نہ صرف اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں بلکہ اس مصطفوی مشن میں نئے آنے والے لوگوں کی راہیں بھی مسدود کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں یہ سوچنا ہو گا:

- کیا ہم مصطفوی مشن کی فکر کے حقیقی وارث ہیں یا فقط شور مچانے والے مدعی؟
- کیا ہمارا انداز لوگوں کو قریب لا رہا ہے یا مزید دوریاں پیدا کر رہا ہے؟
- کیا ہم اپنے رویئے سے اسلام کے وقار میں اضافہ کر رہے ہیں یا غیر محسوس انداز میں اُسے مجروح کر رہے ہیں؟

یاد رکھیں! دعوت صرف الفاظ کا نام نہیں، بلکہ انداز اور اُسلوب کا نام ہے۔ آئیں! ہم سب مل کر اُس اسلوب کو اپنائیں جو حقیقی اسلامی تعلیمات کا عکاس ہے۔ ایک ایسا اسلوب و انداز جو سنجیدہ ہو، مدلل ہو، مہذب ہو، اور سب سے بڑھ کر وہ مؤثر ہو۔

وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

فکری تربیت میں اعتدال و توازن کی اہمیت

تحریکیں نظریات سے جنم لیتی ہیں، کردار سے پنپتی ہیں، اور عمل سے مضبوط ہوتی ہیں۔ اگر کسی تحریک کے کارکنان کا فکری رویہ عدم توازن، شدت اور جلد بازی پر مبنی ہو تو وہ تحریک اپنی منزل سے بھٹک سکتی ہے۔ تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست اعلیٰ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ہمیشہ اعتدال، رواداری اور فکری توازن کے علم بردار رہے ہیں۔ اُن کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے کہ ہم خود کو بہتر بنائیں، معاشرے میں برداشت کو فروغ دیں اور دوسروں کی نیتوں پر فتویٰ نہ لگائیں۔ جذباتی اور غیر اخلاقی ردعمل دینے سے ہمیشہ احتراز کریں، اس لئے کہ یہ قرآن کے واضح احکام کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ (البقرۃ : ۲۲۹)

”یا تو اچھے طریقے سے نبھاؤ اور یا پھر بھلائی کے ساتھ علیحدگی اختیار کرلو۔“

برصغیر میں کم و بیش پچھلی ایک صدی سے جاری انتہا پسندانہ رویوں کی وجہ سے آج ہمارے معاشرے میں فکری شدت پسندی کا عالم یہ ہے کہ اگر کوئی دوست کسی مختلف رائے کا اِظہار کرے یا اُسے کسی ذمہ داری سے ہٹا دیا جائے تو لوگ اُسے فتنہ پرور، منافق، یا مشکوک العقیدہ جیسے سنگین القابات سے نوازنے لگتے ہیں۔ یہ شدت پسندانہ روش اسلام کی حقیقی تعلیمات کے منافی ہے۔ ہمیں اس سوچ و فکر سے باہر نکلنا ہوگا۔ ڈاکٹر طاہر القادری کی ساری زندگی فرقہ واریت، تکفیر اور تعصب کے خلاف جہاد پر مشتمل ہے۔ تحریک منہاج القرآن کا مقصد ہی معاشرے میں اعتدال، علم، کردار اور روحانیت کو فروغ دینا ہے۔ شیخ الاسلام مختلف تربیتی نشستوں میں فرماتے ہیں: ”نظام بدلنے کیلئے سب سے پہلے سوچ کا انقلاب ضروری ہے۔“ اور ”جب سوچ میں اِعتدال آئے گا تو عمل بھی متوازن ہوگا۔“

معاشرے میں اعتدال و توازن کے فروغ کے لئے ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص:

- لوگوں میں گھل مل کر رہنا سیکھے۔
- مثبت تنقید کرنا اور دوسروں کی تلخ تنقید کو برداشت کرنا سیکھے۔
- اپنے مخالف یا مختلف رائے رکھنے والے دوستوں کیلئے بھی دل میں احترام کا جذبہ رکھے۔
- اپنے جذبات پر قابو رکھنا سیکھے۔

- سوشل میڈیا پر آنے والے متشدد مواد کو فلٹر کرے۔
- اپنے سے وابستہ ہر شخص کو مسلسل اخلاقی تربیت دے۔
- اپنی سوچ، فکر اور نظریہ کو تقویٰ اور پاکیزگی پر استوار کرے۔
- شائستگی کو ہمیشہ اپنی پہچان بنائیں۔
- تنگ دلی، گھٹن اور شدت پسندی کی سوچ اور ماحول سے باہر نکلیں۔

منافرت اور عدم برداشت کے فروغ میں سوشل میڈیا کا کردار اور اس کا تدارک

سوشل میڈیا ایسا پلیٹ فارم ہے جہاں کچھ لوگ اپنی مقبولیت کو بڑھانے کیلئے ہر ممکن حربہ استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ افراد جان بوجھ کر ''متنازعہ باتیں'' شیئر کرتے ہیں تاکہ لوگوں کا دھیان اپنی طرف مبذول کر سکیں۔ اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اُن کی پوسٹس پر کمنٹ کریں، شیئر کریں یا اُن کے خیالات پر بحث کریں، کیونکہ زیادہ ردِ عمل حاصل کرنے سے اُن کی پوسٹس مزید لوگوں تک پہنچتی ہیں۔ اُن کے برعکس کچھ لوگ اُن کی متنازعہ باتوں پر بظاہر ہمدردانہ انداز میں "جذباتی رد عمل" دے کر دوسرے لوگوں کو اپنی پوسٹس کی طرف کھینچتے ہیں۔ یوں وہ بھی جذباتی باتوں اور بحث مباحثے کے ذریعے اپنی ریچ بڑھانے میں کامیاب رہتے ہیں۔

سادہ لوح سوشل میڈیا صارفین ان دونوں قسم کے لوگوں کا ہدف بن کر اُنہیں سستی شہرت کی منزل پر فائز کرنے میں استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ چالاک لوگ سستی شہرت کے حصول کیلئے عام طور پر ایسے حربے آزماتے ہیں:

۱۔ پہلی قسم کے لوگ متنازعہ موضوعات چھیڑتے ہیں تاکہ لوگ غصے میں آکر جواب دیں جس سے اُن کی پوسٹ کی ریچ بڑھ سکے۔ یہ لوگ ایسے متنازعہ موضوعات پر بات کرتے ہیں، جو لوگوں کے جذبات کو بھڑکا سکے، جیسا کہ سیاسی یا مذہبی اختلافات وغیرہ۔

۲۔ دوسری قسم کے لوگ اپنی پوسٹس میں ان متنازعہ باتوں کا جذباتی جواب دیتے ہیں۔ یہ بظاہر خیر خواہی پر مبنی ہوتی ہیں، اس لئے عام سادہ لوح صارفین ان کی پوسٹس میں دلچسپی لے کر کمنٹس اور شیئرنگ کے ذریعے ریچ بڑھاتے رہتے ہیں۔

۳۔ دونوں قسم کے لوگ بحث کو طول دیتے ہیں، تاکہ جواب در جواب بحث کے ذریعے پوسٹ کی ریچ بڑھائی جاسکے۔ جب کوئی اُن کی باتوں پر تبصرہ کرتا ہے، تو یہ لوگ جواب دے کر بات کو مزید

آگے بڑھاتے ہیں۔ وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں تاکہ بحث جاری رہے اور اُن کی پوسٹ پر مسلسل کمنٹس آتے رہیں۔

ان لوگوں کی منفی سرگرمیوں کو روکنے کیلئے درج ذیل حکمت عملی اپنائی جاسکتی ہے:

۱۔ نظرانداز کریں: کسی متنازعہ پوسٹ پر کمنٹ یا بحث میں شامل نہ ہوں۔ آپ کی خاموشی اُن لوگوں کی اہمیت کو ختم کرسکتی ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ آپ کے ردِ عمل سے ہی اپنی ریچ بڑھاتے ہیں۔

۲۔ بلاک کریں: مسلسل منفی اور متنازعہ باتیں پوسٹ کرنے والوں کو بلاک کردینا اُن سے جان چھڑانے کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔

۳۔ مثبت مواد شیئر کریں: منفی مواد پر ردِ عمل دینے کے بجائے اپنی توجہ مثبت اور تعمیری باتوں کی اِشاعت پر مرکوز کریں۔ مثبت مواد نہ صرف دوسروں کیلئے مفید ہوتا ہے بلکہ یہ سوشل میڈیا کا ماحول بہتر بنانے میں بھی مددگار ثابت ہوتا ہے۔

محبت و برداشت کے فروغ میں شیخ الاسلام اور منہاج القرآن کا کردار

آج ہماری قوم علمی پسماندگی، فکری تنگ نظری اور اخلاقی تنزلی کا شکار ہوچکی ہے۔ ہمیں مناظرانہ کلچر سے نکل کر مکالمہ، فہم، تحقیق، اور برداشت پر مبنی ماحول قائم کرنا ہوگا۔ ہمیں قومی سطح پر ایسی قیادت، ایسا تعلیمی نظام اور ایسی فکری تحریک کی ضرورت ہے جو اختلافِ رائے کو وسعتِ نظر سمجھے، اور سچائی تک پہنچنے کیلئے دلائل کو ہتھیار نہیں، بلکہ روشنی کا ذریعہ بنائے۔

اِسی فکر کو فروغ دینے کیلئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ہمیشہ مکالمے، محبت، اور علم پر زور دیا۔ اُن کی تعلیمات ہمیں سکھاتی ہیں کہ دین اور علم کی خدمت مناظروں سے نہیں، اخلاق، تحقیق، اور کردار سے کی جاتی ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی وہ بے لوث جدوجہد، جو انہوں نے گزشتہ

کئی دہائیوں سے امن، محبت، رواداری، اور اعتدال کی اقدار کو فروغ دینے کیلئے جاری رکھی۔ جب پورے معاشرے میں نفرت اور فرقہ واریت کا زہر پھیل رہا تھا، تب انہوں نے منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے ایک ایسی علمی و فکری تحریک کا آغاز کیا جس نے لاکھوں دلوں کو جوڑا، ذہنوں کو بدلا، اور نوجوانوں کو شدت پسندی سے نکال کر علم، اخلاق اور خدمت کی راہ پر گامزن کیا۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے نہ صرف قرآن وسنت کی روشنی میں برداشت اور اعتدال کا پیغام عام کیا بلکہ عملی تربیت کے ذریعے ایک ایسے فکری ماحول کی تشکیل کی جہاں اختلاف رائے کو عزت دی جاتی ہے، اور دین کے نام پر نفرت پھیلانے کی بجائے انسانیت سے محبت سکھائی جاتی ہے۔ اگر منہاج القرآن جیسی تحریک اور ڈاکٹر طاہر القادری جیسی شخصیت اس شدت پسندی کے آگے بند نہ باندھتی اور معاشرے کو یہ مثبت اور پر امن فضا نہ دیتی، تو شاید آج یہ معاشرتی زوال اپنی آخری حدوں کو چھو چکا ہوتا۔

ہمیں بطور قوم اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہوگا کہ ڈاکٹر طاہر القادری کی کاوشوں سے خصوصاً مذہبی طبقے میں ایک مثبت تبدیلی آئی ہے۔ نوجوان نسل کی ایک بڑی اکثریت جو شدت پسندی کے دہانے پر تھے، منہاج القرآن کے تربیتی ماحول میں آکر فکری اعتدال، روحانی سکون اور خدمتِ انسانیت کی طرف مائل ہوئے۔ یہ کوئی معمولی تبدیلی نہیں بلکہ ایک سماجی انقلاب ہے، جس کے اثرات آنے والے وقت میں مزید واضح ہوں گے۔

اب یہ ہماری اجتماعی ذمہ داری ہے کہ ہم اس پیغام کو صرف مخصوص حلقوں تک محدود نہ رکھیں بلکہ معاشرے کے ہر طبقے تک پہنچائیں۔ ڈاکٹر طاہر القادری کی تعلیمات محض تقاریر یا کتب کی حد تک نہیں بلکہ عملی زندگی کی تعمیر کا نسخہ ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ آنے والی نسلیں ایک پر امن، باشعور اور مہذب معاشرے میں پروان چڑھیں تو ہمیں اس فکری چراغ کو مزید روشن کرنا ہوگا۔ آیئے! اس انقلابی فکر کو عام کریں، اور نفرتوں کے اس طوفان میں محبت، برداشت اور شعور کے چراغ روشن کریں۔

سوشل میڈیا پر مناظرانہ انداز میں دوسروں کو للکارنے، چیلنج کرنے اور نیچا دکھانے کے بجائے امن، محبت، رواداری اور برداشت کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کریں، ایسے مناظرانہ کلچر کی حوصلہ شکنی کریں جو معاشرہ میں تفریق و تقسیم کا باعث بن رہا ہے اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتب اور خطابات کے ساتھ اپنا ایک مستقل تعلق پیدا کریں۔ کو براہ راست پڑھنا اور سننا چھوڑ رکھا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قوم علمی، فکری اور اخلاقی طور پر ترقی کرے، تو ہمیں اپنی قیادت کی طرح مناظرانہ کلچر کو ترک کر کے فکری بلوغت اور مکالمے کی راہ اپنانا ہوگی۔ یہی راستہ تحریکی سطح پر عوام کے دلوں میں قبولیت پیدا کر سکتا ہے اور یہی راستہ قومی سطح پر ہمیں زوال سے نکال کر ترقی و بقا کی طرف لے جا سکتا ہے۔

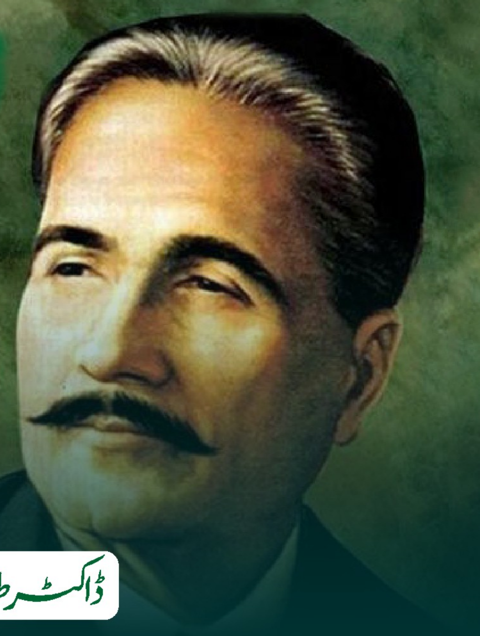

فکرِ اقبال کی تہذیبی معنویت

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

مشرق و مغرب کے مفکرین اور شعراء میں علامہ محمد اقبال کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انھوں نے فکرِ انسانی کے مشترک موضوعات اور مسائل پر اس انداز سے غور و فکر کیا ہے کہ اس سے ان مسائل کی آفاقی جہات متعارف ہوئیں۔ ایسی فکر کسی تہذیب یا علاقے تک محدود نہیں رہتی بلکہ پوری انسانیت کے مسائل کو اپنا موضوع بنا لیتی ہے۔ اقبال نے انسانیت کے مسائل کو اپنی نثر اور نظم دونوں میں موضوعِ بحث بنایا ہے لیکن امتیاز یہ ہے کہ علامہ محمد اقبال کا یہ بیان صرف استدلال پر ہی مبنی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایک پیغمبرانہ تیقن بھی روح کی طرح کارفرما ہے۔ ذیل میں تین جہات سے علامہ محمد اقبال کی فکر کو قومی و ملی سطح پر راہنمائی کے تناظر میں بیان کیا جا رہا ہے:

۱۔ دینی اور ملی اساس

اقبال نے انسان کے بنیادی سوالات کو اسلام کی تعلیمات کے تناظر میں پیش کیا ہے کہ ہمارا تصورِ خدا، تصورِ کائنات اور تصورِ انسان کیا ہونا چاہیے۔ یہی نہیں بلکہ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ان بنیادی سوالات کا جواب دیتے ہوئے اقبال ایک ایسی مضبوط اساس پر کھڑے ہیں جہاں ہم دینی اور ملی حوالے سے اقبال کی فکر کو مستند قرار دے سکتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ سے تعلق، قرآن حکیم کے ساتھ وابستگی اور اسلام کی فکری روایت سے استشہاد اقبال کو مضبوط دینی اور ملی اساس فراہم کرتے ہیں:

(۱) حضور ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے تعلق

حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ سے تعلق علامہ محمد اقبال کی شخصیت کا اہم پہلو ہے۔ اقبال کے فکرو عمل میں یہ تعلق ایک مرکز و محور کی حیثیت رکھتا ہے جو نہ صرف ان کی فکری کاوشوں بلکہ عملی رویوں کی سمت کا تعین بھی کرتا ہے۔ اقبال دین کی حقیقت سے آگاہی کے لیے نسبت محمدی ﷺ کو ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ خان نیاز الدین خان کے ایک مکتوب کے جواب میں فرماتے ہیں:

”نبی اکرم ﷺ کی زیارت مبارک ہو۔ اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ دوسری رؤیا کا بھی مفہوم یہی ہے۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہیے۔ تاکہ قلب، محمدی نسبت پیدا کرے۔ اس نسبتِ محمدیہ کی تولید کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معانی بھی آتے ہوں۔ خلوص و محبت کے ساتھ محض قرأت کافی ہے۔“ (خطوط اقبال، رفیع الدین ہاشمی، ص: ۱۰۷)

☆ علامہ محمد اقبال کی اکثر شعری تخلیقات بھی اسی نسبت اور تحریک کے تحت وجود میں آئیں۔ اپنی نظم ”در حضور رسالتمآب“ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

”میں نے سر سید ؒ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھتے ہیں کہ تم کب سے بیمار ہو؟ میں نے عرض کیا: دو سال سے اوپر مدت گزر گئی۔ فرمایا: حضور رسالتمآب ﷺ کی خدمت میں عرض کرو۔ میری آنکھ اسی وقت کھل گئی اور اس عرضداشت کے چند شعر، جواب طویل ہو گئی ہے، میری زبان پر جاری ہو گئے۔

(اقبال نامہ، مجموعہ مکاتیب اقبال، شیخ عطاء اللہ، ص: ۳۰۶)

☆ علامہ محمد اقبال ملتِ اسلامیہ کی تہذیبی زندگی کی بقا اتباعِ نبوی ﷺ میں دیکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

جہاں تک فرد کی ذات اور معاشرے کی تہذیب و ترقی یا دوسرے لفظوں میں معراجِ انسانیت کا تعلق ہے، یہ مقصد حضور رسالت مآب ﷺ کی اتباع ہی سے حاصل ہوگا۔ البتہ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ کوئی بھی نصب العین ہو اس کے لیے یقینِ کامل شرط ہے۔ یقین نہیں تو عمل بھی نہیں، نہ آرزو، نہ ولولہ، نہ جدوجہد۔ (اقبال کے حضور، سید نذیر نیازی، ص: ۶۲)

☆ یہی نکتہ اپنے تمام فکری سفر میں اقبال کے پیش نظر رہا۔ مثنوی اسرار و رموز کی تصنیف کے بارے میں فرماتے ہیں:

میرا مقصد کچھ شاعری نہیں بلکہ ہندستان کے مسلمانوں میں وہ احساسِ ملیہ پیدا ہو، جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا خاصہ تھا۔ اس قسم کے اشعار لکھنے سے غرض عبادت ہے اور نہ شہرت۔ کیا عجب کہ نبی کریم ﷺ کو میری یہ کوشش پسند آجائے اور ان کا استحسان میرے لیے ذریعہ نجات ہو جائے۔

(اقبال، جناح اور پاکستان، صفدر محمود، ص: ۱۳۶)

(۲) قرآن مجید کے ساتھ وابستگی

علامہ محمد اقبال قرآن حکیم کو مکمل ضابطہ حیات سمجھتے ہیں۔ زندگی کے بارے میں ارتقائی نقطہ نظر کو اقبال دوامی اور وقتی؛ ہر دو زاویوں سے دیکھتے اور پرکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن حکیم کی ابدی تعلیمات تو اٹل ہیں، ان میں کبھی کوئی تبدیلی ممکن نہیں مگر ان بنیادی تعلیمات پر قائم رہتے ہوئے بدلتی ہوئی زندگی کے تقاضوں اور نئے علوم کی روشنی میں ہمیشہ ان کی از سر نو تفسیر کرنے کا عمل جاری رہنا چاہیے۔ (اقبال فراموشی، فتح محمد ملک، ص: ۱۷۰)

☆ قرآن حکیم سے یہ تعلق اقبال کی بچپن کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے علامہ نے فرمایا:

قرآن مجید دل کے راستے بھی شعور میں داخل ہوتا ہے۔ یہ حقیقت یوں سمجھ میں آئے گی کہ یہ کالج میں میری تعلیم کا ابتدائی زمانہ تھا۔ میرا معمول تھا کہ ہر روز نماز فجر کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتا۔ اس دوران میں والد ماجد بھی مسجد سے تشریف لے آتے اور مجھے تلاوت کرتا دیکھ کر اپنے کمرے میں چلے جاتے۔ میں کبھی ایک منزل ختم کر چکا ہوتا کبھی کم۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ والد ماجد حسب معمول مسجد سے واپس آئے، میں تلاوت میں مصروف تھا۔ مجھے فرمایا کہ قرآن حکیم اس طرح پڑھو گویا تم پر نازل ہو رہا ہے۔ (اقبال کے حضور، سید نذیر نیازی، ص: ۶۰)

☆ عام مسلمان کی زندگی میں قرآن حکیم سے تعلق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے میاں رشید احمد سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

دیکھو تم ہی کو اب یہاں رہنا ہے۔ ہم تو مسافر ہیں۔ یاد رکھو! مسلمانوں کے لیے جائے پناہ صرف قرآن کریم ہے۔ زمانے کے ساتھ ضرور چلنا چاہیے لیکن اپنے دامن کو اس کے بداثرات سے آلودہ نہ ہونے دو۔ میں اس گھر کو صد ہزار تحسین کے قابل سمجھتا ہوں جس گھر سے علی الصبح تلاوت قرآن مجید کی آواز آئے۔ کلام مجید کا صرف مطالعہ ہی نہ کیا کرو بلکہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ (گفتارِ اقبال، محمد رفیق افضل، ص: ۲۱۳)

☆ علامہ محمد اقبال خود بھی قرآن حکیم کی تفسیر لکھنا چاہتے تھے۔ راس مسعود کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآن کریم سے متعلق اپنے افکار قلمبند کر جاؤں۔ جو تھوڑی سی ہمت و طاقت ابھی مجھ میں باقی ہے، اسے اسی خدمت کے لیے وقف کر دینا چاہتا ہوں تاکہ (قیامت کے دن) آپ کے جد امجد (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت مجھے اس اطمینان خاطر کے ساتھ میسر ہو کہ اس

عظیم الشان دین کی جو حضور نے ہم تک پہنچایا، کوئی خدمت بجا لا سکا۔
(اقبال نامہ، مجموعہ مکاتیب اقبال، شیخ عطاء اللہ، ص: ۲۷۳)

☆ دہلی میں ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء کو ایک تقریب میں فرمایا:

جہاں تک سیاسی مسائل کا تعلق ہے، میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ میرے ساتھ کوئی پرائیویٹ سیکرٹری ہے جو میرے لیے ضروری مواد فراہم کرے، نہ میرے پاس سیاسی لٹریچر کا کوئی پلندہ ہے جس پر میں اپنی بحثوں کی اساس قائم کروں بلکہ میرے پاس حق و صداقت کی ایک جامع کتاب (قرآن پاک) ہے جس کی روشنی میں میں مسلمانانِ ہند کے حقوق کی ترجمانی کرنے کی کوشش کروں گا۔ (گفتارِ اقبال، محمد رفیق افضل، ص: ۱۳۶)

(۳) صوفیاء سے فکری و عملی تعلق

اسلام کی فکری روایت اور صوفیائے اسلام سے فکری اور عملی تعلق علامہ محمد اقبال کی شخصیت کا اہم حصہ ہے۔ امرتسر کے اخبار وکیل میں ۵ جنوری ۱۹۱۶ء کو شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون اسرار خودی اور تصوف میں لکھتے ہیں:

حضرات صوفیا میں جو گروہ رسول اللہ ﷺ کی راہ پر قائم ہیں اور سیرتِ صدیقی کو اپنے سامنے رکھتے ہیں، میں اس گروہ کی خاکِ پا ہوں اور ان کی محبت سعادتِ دارین کا باعث تصور کرتا ہوں۔ (اقبال کے نثری افکار، عبدالغفار شکیل، ص: ۹۳)

۲۔ فکری اور نظری اساس

عہدِ جدید کے فکر کے مقابل جس تخلیقی رد عمل کی ضرورت تھی، وہ علامہ محمد اقبال کی انگریزی فلسفیانہ تحریروں میں نمایاں ہے۔ معاصر مسائل پر غور کرتے ہوئے اقبال نہ صرف مسلم فکری روایت کے تسلسل میں اپنی فکر کو آگے بڑھاتے ہیں بلکہ کمال بصیرت کے ساتھ ملت کے مستقبل کو بھی اپنے پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنی شاعری کو ملت کے مستقبل کی صورت گری کا ایک وسیلہ قرار دیتے ہیں۔

(۱) مسلم روایت کا تسلسل

نہ صرف علامہ محمد اقبال کی اپنی فکر مسلم روایت کا تسلسل تھی بلکہ وہ عملاً بھی اس روایت کے احیا اور استحکام کے لیے کوشاں تھے۔ علامہ مصطفی المراغی شیخ جامعہ ازہر کے نام ایک خط میں علامہ نے لکھا:

لہذا میری تمنا ہے کہ آپ از راہِ عنایت ایک روشن خیال مصری عالم کو جامعہ ازہر کے خرچ پر ہمارے پاس بھیج کر ممنون فرمائیں تا کہ یہ شخص ہم کو اس کام میں مدد دے۔ چاہیے کہ یہ شخص علومِ

شرعیہ اور تاریخ تمدنِ اسلامی میں ماہر ہو، نیز زبان انگریزی پر بھی قدرت کامل رکھتا ہو۔
(اقبال نامہ، مجموعہ مکاتیب اقبال، شیخ عطاء اللہ، ص: ۲۲۴)

☆ علامہ محمد اقبال نے اپنی تمام فکری تخلیقات کو مسلم روایت کا ہی تسلسل قرار دیا۔ ڈاکٹر نکلسن کے نام خط میں فرماتے ہیں:

میرا دعویٰ ہے کہ اسرار کا فلسفہ مسلمان صوفیاء اور حکماء کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے۔ (ایضاً، ص: ۳۵۰)

(۲) ملت کے مستقبل پر نظر

علامہ محمد اقبال کو اللہ نے وہ بصیرت عطا کی تھی کہ نہ صرف معاصر مسائل پر ان کی نظر تھی بلکہ وہ حادثہ جو پردہ افلاک میں ہے، وہ بھی ان کی نگاہ سے او جھل نہ تھا۔ عالمی واقعات خصوصاً ملتِ اسلامیہ کے مستقبل کے بارے میں ان کا تجزیہ اور موقف حتمیت کی حد تک ثقاہت کا حامل تھا۔ معاصر حالات کے بارے میں فرمایا:

میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ممالکِ اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ ذاتی لحاظ سے، خدا کے فضل و کرم سے، میرا دل پورا مطمئن ہے۔ یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل گھبرا کر کوئی اور راہ اختیار نہ کرلے۔
(اقبال نامہ، مجموعہ مکاتیب اقبال، شیخ عطاء اللہ، ص: ۱۶۳)

☆ مستقبل میں اسلام کے کردار کے بارے میں فرمایا:

دنیائے جدید میں حالات اس سرعت سے بدل رہے ہیں کہ مستقبل کے متعلق پیشین گوئی تقریباً ناممکن ہے۔ اگر دنیائے اسلام سیاسی وحدت حاصل کرے (اگر ایسا ممکن ہو) تو غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کا رویہ کیا ہوگا؟ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جغرافیائی حیثیت سے یورپ اور ایشیا کے درمیان واقع ہونے کے لحاظ سے اور زندگی کے مشرقی و مغربی نصب العین کے امتزاج کی حیثیت سے اسلام کو مشرق و مغرب کے مابین ایک طرح کا نقطہ اتصال بننا چاہیے لیکن اگر یورپ کی نادانیاں اسلام کو ناقابلِ مفاہمت بنادیں تو کیا ہوگا؟
(حرفِ اقبال، لطیف احمد خان شیروانی، ص: ۱۴۷)

☆ علامہ محمد اقبال کو ملتِ اسلامیہ کے مستقبل کے بارے میں جو خصوصی بصیرت حاصل تھی، وہ قرآن حکیم میں ان کے زندگی بھر کے طویل غور و فکر کا نتیجہ تھا۔ مولانا شیخ غلام قادر گرامی کے نام خط میں لکھتے ہیں:

مثنوی کے تیسرے حصہ کا مضمون ہوگا: ’’حیات مستقبلہ اسلامیہ‘‘ یعنی قرآن شریف سے مسلمانوں کی آئندہ تاریخ پر کیا روشنی پڑتی ہے اور جماعت اسلامیہ جس کی تاسیس دعوتِ ابراہیمی سے شروع ہوئی، کیا کیا واقعات و حوادث آئندہ صدیوں میں دیکھنے والی ہے اور بالآخر ان واقعات کا مقصود و غایت کیا ہے؟ میری سمجھ اور علم میں یہ تمام باتیں قرآن شریف میں موجود ہیں اور استدلال ایسا صاف و واضح ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تاویل سے کام لیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے قرآن شریف کا یہ مخفی علم بھی مجھ کو عطا کیا۔ میں نے پندرہ سال تک قرآن پڑھا ہے اور بعض آیات و سورتوں پر مہینوں بلکہ برسوں غور کیا ہے اور اتنے طویل عرصہ کے بعد مندرجہ بالا نتیجہ پر پہنچا ہوں۔

(اقبال، جناح اور پاکستان صفدر محمود، ص: ۱۲۴)

(۳) فکر و شاعری کا مقصد اصلاحِ ملت

علامہ محمد اقبال کی شاعری کا مقصد ملتِ اسلامیہ کی اصلاح اور مستقبل کی صورت گری ہے۔ جب مثنوی اسرار و رموز پر اعتراضات کیے گئے تو علامہ نے فرمایا:

یہ مثنوی کسی طرح لغو نہیں ہے۔ اگر اختلاف ضروری ہی ہے تو قرآن حکیم کے ارشاد: اذا مروا باللغو مروا کراما، کے مطابق اختلاف کرنا چاہیے۔ میرا مقصد صوفی تحریک کو مٹانا نہیں، عقلی اور مذہبی بیہودگیوں کو چھوڑ کر آخر کار فطرۃ اللہ کے قریب جا پہنچنا ہے، جس پر مذہب اسلام مبنی ہے۔

(اقبال کے نثری افکار، عبدالغفار شکیل، ص: ۱۱۱)

☆ سعید اکبر آبادی کے مطابق علامہ کی شخصیت اس اعتبار سے عدیم المثال تھی کہ ایک طرف وہ علوم جدیدہ کے ماہر اور مبصر نقاد تھے اور دوسری طرف علومِ اسلامیہ پر ان کی نگاہ مبصرانہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ عصرِ حاضر کو اسلامی حقائق سے آشنا کرنے کی ایک راہ علامہ نے خطبات کے ذریعے دکھائی ہے۔

(خطبات اقبال پر ایک نظر، سعید اکبر آبادی، ص: ۸۴)

☆ سید سلیمان ندوی کے نام خط میں لکھتے ہیں:

شاعری میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمع نظر نہیں رہا کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے وقت نہیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو۔

(اقبال نامہ، مجموعہ مکاتیب اقبال، شیخ عطاء اللہ، ص: ۱۳۳)

☆ علامہ محمد اقبال کی شخصیت عقل و عشق کا حسین امتزاج تھی۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

میں نے کبھی ایسا کوئی شعر نہیں کہا کہ جسے میں نے قلب میں محسوس نہ کیا ہو اور محض عقل کے زور سے کہہ دیا ہو یعنی میرے اشعار میں فکر اور جذبہ دونوں کا امتزاج پایا جاتا ہے۔

(مجالس اقبال، جعفر بلوچ، ص: ۸۴)

☆ عملی جدوجہد کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

میں انگریزی، اردو، فارسی میں بر نگ نثر بھی اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا تھا لیکن یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ طبائع نثر کی نسبت شعر سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ لہذا میں نے مسلمانوں کو زندگی کے صحیح مفہوم سے آشنا کرنے، اسلاف کے نقشِ قدم پر چلانے اور ناامیدی، بزدلی اور کم ہمتی سے باز رکھنے کے لیے نظم کا ذریعہ استعمال کیا۔ میں نے پچیس سال تک اپنے بھائیوں کی مقدور بھر ذہنی خدمت کی۔ اب میں ان کی بطرزِ خاص عملی خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کر رہا ہوں۔

(گفتارِ اقبال، محمد رفیق افضل، ص: ۱۶)

☆ اپنی کتاب جاوید نامہ کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا:

یہ حقیقت میں ایشیا کی ڈیوائن کامیڈی ہے۔ جیسے ڈینٹے کی تصنیف یورپ کی ڈیوائن کامیڈی ہے۔ اس کا اسلوب یہ ہے کہ شاعر مختلف ستاروں کی سیر کرتا ہوا مختلف مشاہیر کی روحوں سے مل کر باتیں کرتا ہے۔ پھر جنت میں جاتا ہے اور آخر میں خدا کے سامنے پہنچتا ہے۔ اس تصنیف میں دورِ حاضر کے تمام جماعتی، اقتصادی، سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور اصلاحی مسائل زیر بحث آگئے ہیں۔ اس میں صرف دو شخصیتیں یورپ کی آئی ہیں: اول کچنر، دوم نیتشے۔ باقی تمام شخصیتیں ایشیا کی ہیں۔ ڈینٹے نے اپنا رفیقِ سفر یا خضرِ طریق ''ورجل'' کو بنایا تھا۔ میرے رفیقِ سفر یا خضرِ طریق، مولانائے روم ہیں۔ (ایضاً، ص: ۲۴۴)

☆ عالم اسلام کی عمومی حالتِ زوال کو دیکھتے ہوئے اقبال اکثر اس امر کا اظہار کرتے کہ مسلمانوں کو ان کے مقام سے آشنا کرنے کے لیے عملی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ یہاں وہ اکثر اپنی شاعری کو بھی ہیچ سمجھتے:

اسپین کیا، مسلمان اپنی ساری تاریخ سے بے خبر ہیں۔ یہ شعر و شاعری کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں! کاش میں نے شاعری نہ کی ہوتی۔ (اقبال کے حضور، سید نذیر نیازی، ص: ۲۷۲)

۳۔ عملی اساس

بطور ایک سماجی اور سیاسی مصلح علامہ محمد اقبال نے قوم کی رہنمائی بھی کی اور مسائل کے حل کے لیے تجاویز بھی دیں۔ یہ پہلو پھر تین جہتوں کا حامل ہے۔ اقبال کی شخصیت ایسی عملی سیاسی بصیرت کی مظہر ہے جس نے انتہائی ناگفتہ بہ حالات میں بھی ملت کے لیے اس مستقبل کی پہلے سے پیش بینی کی جس راستے پر بہت سے مقتدر قائدین بعد میں گامزن ہوئے۔ ذاتی حوالے سے بھی علامہ کی شخصیت اسلام کی دینی اور روحانی تعلیمات کا ایک عملی نمونہ نظر آتی ہے۔ عملی سیاست میں بھی اقبال کا کردار اسی عبقریت کا مظہر ہے۔

(ا) سیاسی بصیرت

مسلمانانِ برصغیر کی عملی اور نظریاتی میدان میں سیاسی رہنمائی کا جو کردار علامہ محمد اقبال نے ادا کیا تھا وہ اس خداداد بصیرت سے مملو تھا جس کی کوئی نظیر اس دور میں نہیں ملتی۔ اقبال نے ہر اہم سیاسی موقع پر قوم کی صحیح سمت میں رہنمائی کی۔ اقبال کے اسی کردار کی وجہ سے قائداعظم نے اقبال کو مسلم ہند کی احیائی جدوجہد کا مفکر قرار دیا:

Every great movement has a philosopher and iqbal was the philosopher of the National Renaissance of Muslim India. (Discourses of iqbal, shahid hussain Razzaqi)

☆ علامہ محمد اقبال کی سیاسی جدوجہد کا مطالعہ اسی پہلو کو مزید روشن کرتا ہے۔ خطبہ الٰہ آباد کے موقع پر فرمایا:

میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسلام، اس کے نظامِ سیاست و قانون، اس کی ثقافت، اس کی تاریخ اور اس کے ادب کے مطالعہ میں صرف کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ روحِ اسلام کے ساتھ مسلسل تعلق کی بدولت جس کا اظہار وقت کے ساتھ ہو رہا ہے، میرے اندر اسلام کو ایک اہم عالم گیر حقیقت کی حیثیت سے دیکھنے کی بصیرت پیدا ہو گئی ہے۔

(علامہ محمد اقبال کا خطبہ الٰہ آباد، شفیق ملک ندیم، ص: ۱۲۰)

☆ علامہ محمد اقبال کے اس وصف کا اندازہ اغیار کو بھی تھا۔ لارڈ لوتھین نے ایک موقع پر کہا:

عالم اسلام ہی میں نہیں، تمام مشرق میں اقبال جیسا اثر انداز مفکر اور کوئی نہیں۔ اقبال کے افکار تاریخِ عالم کا رخ بدل دیں گے۔ سیاسی لوگ نہیں جانتے کہ اقبال کی طرح کے شاعر کس قدر موثر ہو سکتے ہیں، (اقبال فراموشی، فتح محمد ملک، ص: ۲۵)

محمد دین تاثیر کے بقول: اقبال کی جاودانیت وہی ہے جو قرآن حکیم کی جاودانیت ہے کیونکہ کلام اقبال تفسیرِ کلامِ الٰہی ہے۔ جاودانی مگر عملی پیغامات کی یہ بنیادی خصوصیت ہے کہ ان میں ماحول کی مطابقت بھی ہوتی ہے اور اس سے بغاوت بھی اور یہ انقلابی بغاوت ایک مخصوص ماحول کو بدلنے کے ساتھ ساتھ ایک عالمگیر انقلاب کی بنیاد بھی ڈالتی ہے۔

(اقبالیاتِ تاثیر، افضل حق قرشی، ص: ۵۸)

☆ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اقبال کی اس عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

میں سمجھتا ہوں کہ اقبال وہ شاعر ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے مطابق بعض حکم وحقائق کہلوائے ہیں جو کسی دوسرے معاصر شاعر و مفکر کی زبان سے نہیں ادا ہوئے۔ یہ سیاسی بالغ نظری اور بلند ہمتی جس کی نظیر اس دور میں عالمِ اسلام میں مشکل سے ملے گی، مملکت پاکستان کی بنیاد ہے جس پر اس عظیم ترین اسلامی ریاست کی تعمیر ہوئی تھی اور اس کو اسلامی زندگی کی ایک تجربہ گاہ قرار دیا گیا۔ (اقبال فراموشی، فتح محمد ملک، ص: ۵۲)

جب مسلمانوں کے مستقبل کو عملاً محفوظ کرنے کا مرحلہ درپیش ہوا تو تصورِ پاکستان کو حقیقت میں بدلنے کی تحریک کی قیادت کے لیے علامہ اقبال نے صرف قائدِ اعظمؒ کا انتخاب کیا اور برصغیر کی سیاسی قیادت کے لیے قائدِ اعظم ہی کو واحد اہل رہنما قرار دیتے ہوئے فرمایا:

مسٹر جناح ہی مسلمانوں کے اصل لیڈر ہیں اور میں تو ان کا ایک معمولی سپاہی ہوں۔

(اقبال کے آخری دو سال، عاشق حسین بٹالوی، ص: ۵۳۲)

(۲) روحانی و مذہبی پہلو

علامہ محمد اقبال کی فکر میں جن مذہبی اور روحانی اقدار کا ذکر موجود ہے وہ اقبال کی شخصیت کا بھی زندہ اور فعال حصہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے فعال تعلقِ بندگی اور پھر زندگی میں اس کے اثرات کی موجودگی اقبال کے ہاں بآسانی دیکھی جاسکتی ہے۔

☆ سر کشن پرشاد کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: خدا کے فضل و کرم سے تہجد سے پہلے بھی اور بعد میں بھی دعا کروں گا کہ اس وقت عبادتِ الٰہی میں بہت لذت حاصل ہوتی ہے۔ کیا عجب ہے کہ دعا قبول ہو جائے۔ (اقبال نامہ، مجموعہ مکاتیب اقبال، ص: ۴۷۷)

☆ زندگی میں تسلیم و رضا کی روش اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عجب کشمکش کی حالت ہے مگر شکایت نہیں کہ ہمارے مذہب میں شکایت کفر ہے۔ (ایضاً، ص: ۷۰)

☆ میں نے اب تک اپنے معاملات میں ذاتی کوشش کو بہت کم دخل دیا ہے۔ ہمیشہ اپنے آپ کو حالات کے اوپر چھوڑ دیا ہے اور نتیجے سے خواہ وہ کسی قسم کا ہو، خدا کے فضل و کرم سے نہیں گھبرایا۔ اس وقت بھی قلب کی کیفیت یہی ہے کہ جہاں اس کی رضا لے جائے گی، جاؤں گا۔ (ایضاً، ص: ۴۹۳)

(۳) عملی سیاسی جدوجہد

علامہ محمد اقبال صرف شاعر، مفکر یا علمی شخصیت ہی نہیں تھے بلکہ انھوں نے عملی سیاسی میدان میں بھی اپنا کردار ادا کیا۔ اقبال کا سیاسی کردار آئینی، اصولی اور حقیقت پسندانہ تھا۔ آئینی و قومی مسائل پر حقیقت پسندانہ موقف اختیار کرتے ہوئے فرمایا:

مجھے کوئی اعتراض نہیں، اگر ہندو ہم پر حکومت کریں بشرطیکہ ان میں حکومت کرنے کی اہلیت اور شعور ہو لیکن ہمارے لیے دو آقاؤں کی غلامی ناقابل برداشت ہے۔ ہندو اور انگریزوں میں سے صرف ایک ہی کا اقتدار گوارا کیا جاسکتا ہے۔

(حرفِ اقبال، لطیف احمد خان شیروانی، ص: ۱۵۶)

☆ قومی مسائل پر مسلمان قائدین خصوصاً مذہبی قائدین کی بے بصیرتی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

تاسف کا مقام ہے کہ ہمارے بعض لیڈر، جن میں بعض علمائے دین بھی شامل ہیں، مسئلہ انتخاب کو محض نمائندگی کا طریقہ کار تصور کرتے ہیں اور بس۔ جہاں تک میں نے مسلمانانِ ہند کی گزشتہ تاریخ اور ایشیائی اقوام کے موجودہ امیال و عواطف اور مغربی اقوام کی سیاسی ریشہ

دوانیوں پر غور کیا ہے، مجھے اس بات کا کامل یقین ہے کہ ابھی ایک عرصہ تک مسلمانانِ ہند کا مستقبل جداگانہ انتخاب سے وابستہ ہے۔

(گفتارِ اقبال، محمد رفیق افضل، ص:۱۶۴)

☆ مُلا کا ذہن یوں عقیم ہے کہ صدیوں کی فرسودہ اور لاحاصل بحثوں میں الجھ کر اس کی فکری صلاحیتیں ختم ہو چکی ہیں۔ وہ نہیں سمجھتا کہ اسے جن عقائد پر سختی سے اصرار ہے، اسلام نے ان کا رشتہ زندگی سے کس طرح جوڑا اور ان سے فی الحقیقت کیا مقصود ہے۔ (اقبال کے حضور، سید نذیر نیازی، ص:۲۸۳)

علامہ محمد اقبال نے کبھی قومی مسائل پر کوئی ایسا موقف اختیار نہیں کیا جو زمینی حقائق کے خلاف ہو یا مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے تحفظ کا ضامن نہ ہو۔ جمہوری انداز سے سوچتے ہوئے جہاں وہ مسلم اکثریت کے علاقوں پر مشتمل مسلمان مملکتوں اور ہندو اکثریت کے علاقوں پر مشتمل ہندو ریاستوں کے قیام کا جمہوری تصور اجاگر کرنے میں مصروف تھے وہاں وہ ہندو قوم اور اچھوت قوم کے حقِ خود اختیاری کو بھی کھلے دل سے تسلیم کر رہے تھے۔ وہ خود بھی آزاد رہنا چاہتے تھے اور دوسروں کی آزادی اور خود مختاری کا حق بھی تسلیم کرتے تھے۔ ان کے نزدیک پورے ہندوستان پر اسلام کا بزور شمشیر غلبہ ایک غیر اسلامی اور فاشسٹ تصور تھا۔ (اقبال فراموشی، فتح محمد ملک، ص:۱۵۹)

عملی سیاسی مسائل کے حل کے لیے اقبال نے جو موقف اور حکمت عملی اختیار کی وہ اقبال کے ایک عملیت اور حقیقت پسند سیاسی رہنما کے تشخص کو سامنے لاتی ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ دورِ جدید میں انسان جن فکری اور عملی مسائل سے گزر رہا ہے ان کے حل کے لیے ایک جامع فکری نظام کی ضرورت ہے۔ روایت، جدیدیت اور مابعد جدیدیت تبدیلیوں کے تناظر میں اقبال کی فکر آج کے جدید انسان کی فکری اور عملی ضرورتیں پوری کرتی ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ جدیدیت کے جواب میں اقبال مسلم دنیا کی واحد نمائندہ آواز ہیں۔ مذکورہ بالا تینوں حوالوں سے اقبال کی فکر اور شخصیت ہمارے لیے قومی اور ملی سطح پر غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری
کا دورہ ہزارہ ڈویژن

خصوصی رپورٹ

چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل، پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے 2 اکتوبر 2025ء کو خیبر پختونخوا کے ہزارہ ڈویژن کے سات روزہ تنظیمی و دعوتی دورے کا آغاز کیا۔ اس دورے میں اُن کے ہمراہ مرکزی ناظمِ اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور، نائب ناظمِ اعلیٰ انجینئر محمد رفیق نجم، نائب ناظم اعلیٰ خیبر پختونخوا محمد عرفان یوسف، ناظمِ اعلیٰ نظام المدارس علامہ ڈاکٹر میر محمد آصف اکبر قادری، ڈائریکٹر پروجیکٹس MWF سید امجد علی شاہ، ناظم تنظیمات ہزارہ زون محمد جاوید القادری سمیت مرکزی و زونل قائدین شریک تھے۔ یہ علمی، فکری، تربیتی اور تنظیمی لحاظ سے نہایت کامیاب و جامع دورہ ثابت ہوا جس میں مختلف علمی نشستوں، کانفرنسز، ورکرز کنونشنز، تربیتی اجلاسوں اور تعلیمی اداروں کے وزٹ کا اہتمام کیا گیا۔ ان تمام پروگرامز میں علماء، مشائخ، سیاسی و سماجی رہنما، اساتذہ، طلبہ، وکلاء، جملہ طبقات زندگی سے تعلق رکھنے والی نمایاں شخصیات اور ہزارہ زون کے تمام فورمز کے قائدین، کارکنان، خواتین وحضرات کی بڑی تعداد شریک تھی۔ اس دورہ کی اجمالی رپورٹ نذرِ قارئین ہے:

ا۔ پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی کوٹ نجیب اللہ انٹرچینج ہری پور آمد پر ہزارہ زون کے قائدین و کارکنان نے پرتپاک استقبال کیا۔ اس موقع پر نائب ناظم تنظیمات محمد جاوید القادری نے

زونل سرگرمیوں پر تفصیلی بریفنگ دی۔ بعد ازاں چیئرمین سپریم کونسل نے مختلف علمی و تنظیمی شخصیات، اساتذہ اور طلبہ سے ملاقاتیں کیں۔

۲۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے یونیورسٹی آف ہری پور میں ''اسلامک لیڈرشپ اور مینجمنٹ'' کے موضوع پر فکری و علمی سیمینار سے خطاب کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ قیادت اسلام میں امانت اور ذمہ داری ہے۔ حقیقی قائد وہ ہے جو قوم کا خادم ہو، مشاورت اختیار کرے اور اپنی کامیابی کو اللہ کی عطا سمجھے۔ اسلامی مینجمنٹ کا مقصد بکھری ہوئی توانائیوں کو منظم انداز میں منزل کی جانب لے جانا ہے۔ ہری پور یونیورسٹی کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر شیراز احمد، قاضی شجاعت، اور دیگر فیکلٹی ممبران نے اس موقع پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی علمی و فکری خدمات کو سراہا اور انھیں اعزازی شیلڈ پیش کی۔

۳۔ چیئرمین سپریم کونسل نے ترناواخان پور میں منہاج کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز کے تعمیراتی منصوبے کا سنگِ بنیاد رکھا۔ یہ منصوبہ 17 کروڑ روپے کی لاگت سے تین سال میں مکمل ہوگا۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے فرمایا کہ یہ ادارہ علمِ دین کی خدمت اور امتِ مسلمہ کی رہنمائی کا عظیم مرکز بنے گا۔ ڈائریکٹر پروجیکٹس سید امجد علی شاہ نے منصوبے کی تفصیلات پیش کیں۔

۴۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے ہری پور میں محفلِ میلاد مصطفی ﷺ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن نے حضور ﷺ کے اخلاق کو ”عظیم“ قرار دیا۔ آپ ﷺ سراپا رحمت، عفو، درگزر اور انسان دوستی کے پیکر تھے۔ آج ہمیں اپنے اخلاق کو نبی ﷺ کی سیرت کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرے میں محبت، اخوت اور امن فروغ پائے۔ پروگرام کے اختتام پر لائف ممبرز کو اسناد اور عہدیداران کو نمایاں کارکردگی پر شیلڈز پیش کی گئیں۔

۵۔ ایبٹ آباد کے تاریخی جلال بابا آڈیٹوریم میں میلاد مصطفی ﷺ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے فرمایا کہ ایمان کا کمال تب ہی حاصل ہوتا ہے جب انسان نبی ﷺ کی محبت و ادب کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لے۔ عشقِ مصطفی ﷺ ایمان کی بنیاد ہے، اور جب تک دلوں میں حضور ﷺ کا ادب پیدا نہیں ہوگا ایمان مکمل نہیں۔ آج امتِ مسلمہ حسد، ریاکاری، خودپرستی اور تکبر جیسے امراض میں مبتلا ہے۔ ہم زبان سے عشقِ مصطفی ﷺ کا دعویٰ کرتے ہیں مگر عمل میں سیرتِ مصطفوی ﷺ سے دور ہیں۔ جب تک دلوں میں آقا ﷺ کا ادب اور عشق پیدا نہیں ہوگا، نہ عبادت قبول ہوگی اور نہ ایمان مکمل۔

۶۔ منہاج القرآن ایبٹ آباد کے زیرِ اہتمام ورکرز کنونشن (جلال بابا آڈیٹوریم ایبٹ آباد) میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے صالحین کی صحبت کے اثرات پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے امت کو علم، تربیت اور خدمت کا ایک مربوط نظام دیا ہے۔ انہوں نے کارکنان کو تلقین کی کہ مرکز کے تربیتی سیشنز میں شرکت کریں اور علم کو اپنے علاقوں میں عام کریں۔ ورکرز کنونشن کے اختتام پر لائف ممبران اور عہدیداران کو اسناد و شیلڈز پیش کی گئیں۔

۷۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے یونیورسٹی ٹاؤن ایبٹ آباد میں منہاج القرآن اسلامک سنٹر کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے آپ نے اسلامک سنٹر کے منتظمین سید شفقت حسین شاہ، ذوالفقار حسین شاہ اور رفاقت حسین شاہ کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ اسلامک سنٹر کا قیام ایبٹ آباد میں علم، تربیت اور خدمتِ دین کے فروغ کے لیے ایک روحانی و فکری سنگِ میل ثابت ہوگا۔ منہاج القرآن کے تمام فورمز کے عہدیداران و کارکنان شریک تھے۔

۸۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے یونیورسٹی ٹاؤن ایبٹ آباد میں صاحبزادگانِ سید غلام علی شاہ کاظمی کی رہائش گاہ پر ضیافتِ میلاد ﷺ سے خطاب میں فرمایا کہ ہر نیک عمل اللہ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ اختلافِ رائے وسعتِ نظر کا ذریعہ ہے، بشرطِ خیر نیت، مگر تفرقہ امت کے بکھراؤ کا سبب بنتا ہے۔ منہاج القرآن کا مشن علم، برداشت اور وحدت کو فروغ دینا ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا پیغام امت میں علم، برداشت اور وحدت کو فروغ دینا ہے۔ منہاج القرآن کا مشن امت کو تفرقہ سے نکال کر علم و رواداری کے رنگ میں رنگنا ہے تاکہ اسلام کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے آئے۔

۹۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے واہ کینٹ میں ورکرز کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لیڈر وہ نہیں جو اپنی ذات کے لیے جیتا ہے بلکہ وہ ہے جو دوسروں کے لیے زندہ رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی عملی زندگی سے یہ مثال قائم کی کہ خدمت، محبت، عفو و درگزر اور عاجزی ہی قیادت کی بنیاد ہیں۔ سچا قائد حسد سے پاک، وسیع ظرف اور بلند اخلاق کا پیکر ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کی خامیاں تلاش کرنے کے بجائے ان کی اصلاح اور بہتری کا خواہاں رہتا ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری حقیقی معنوں میں امتِ مسلمہ کے عظیم قائد ہیں، جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کو سمجھایا، علم و عمل کا پیغام عام کیا اور فتنۂ خوارج کے خلاف تاریخی فتویٰ دے کر امت کو فکری و روحانی طور پر متحد کیا۔

۱۰۔ ایڈن مارکی مانسہرہ میں ضیافتِ میلاد ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کہا کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 45 سالہ جدوجہد نے منہاج القرآن کو ایک عالمی تحریک بنا دیا ہے۔ تحریک تنقید نہیں، بلکہ کردار و خدمت کے ذریعے تبدیلی کی تحریک ہے۔ منہاج القرآن تربیتِ کردار اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی تعلیم کا مرکز ہے۔

۱۱۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے ہزارہ یونیورسٹی کا دورہ بھی کیا۔ ہزارہ یونیورسٹی آمد پر پرو وائس چانسلر ڈاکٹر اقبال مرتضیٰ اور انتظامیہ نے پرتپاک استقبال کیا۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے ’’دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور‘‘ پر خطاب کیا اور منہاج یونیورسٹی لاہور کا تعارف پیش کیا۔ دونوں اداروں نے تعلیمی تعاون کے فروغ پر اتفاق کیا۔ اختتام پر انہیں اعزازی شیلڈ دی گئی۔

۱۲۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے ایبٹ آباد پبلک اسکول کا خصوصی دورہ کیا، جو ناظمِ اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور کا مادرِ علمی ہے۔ پرنسپل اختر علی قریشی نے اسکول کی کارکردگی سے آگاہ کیا۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے منہاج القرآن اور منہاج یونیورسٹی کی چار دہائیوں پر محیط علمی و انسانی خدمات کا تعارف کروایا۔

۱۳۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے منہاج کالج برائے خواتین و اسلامک سنٹر (کاغان) کے قیام کے لئے سابق صوبائی وزیر احمد حسین شاہ کی جانب سے وقف اراضی کی دعائیہ تقریب میں شرکت کی۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اس اقدام کو خدمتِ دین اور خواتین کی تعلیم کے لیے خوش آئند قدم قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ منصوبہ علاقے میں علم و آگہی کا نیا دور لائے گا۔ سابق صوبائی وزیر سید احمد حسین شاہ نے اس موقع پر کہا کہ ہمارے لیے باعثِ اعزاز ہے کہ آپ نے کاغان تشریف لائے۔ ان شاءاللہ، آپ کی رہنمائی میں یہاں ایک جدید تعلیمی مرکز قائم کیا جائے گا۔ بعد ازاں سید مزمل شاہ (سابق سینیٹر و چیف کاغان) کی رہائش گاہ پر تقریب میں شرکت کی اور منہاج القرآن کے علمی و تحقیقی مشن پر روشنی ڈالی۔

۱۴۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے پروفیسر نثار سلیمانی کے زیر انتظام لٹل پانڈا ارلی انٹروینشن سینٹر کا دورہ کیا، جہاں خصوصی بچوں کے لیے تربیتی اور تھراپی سروسز مہیا کی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے ادارے کی خدمات کو قابلِ تقلید ماڈل قرار دیا۔

۱۵۔ اسلام آباد بار ایسوسی ایشن میں ”دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور“ کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے فرمایا کہ ریاستِ مدینہ عدل، مساوات، امانت اور خدمت پر مبنی نظامِ حکومت تھی۔ نبی ﷺ نے تمام شہریوں کے حقوق کی ضمانت دی اور انصاف کا ایسا معیار قائم کیا کہ کسی سردار کے بیٹے کو بھی جرم پر رعایت نہ تھی۔ اگر پاکستان کے حکمران حضور ﷺ کے اس نظام کو اپنائیں تو ملک میں خوشحالی و عدل قائم ہو سکتا ہے۔ ریاستِ مدینہ کوئی ماضی کا خواب نہیں بلکہ ایک زندہ تصور ہے جس پر عمل کر کے ہم اپنی دنیا و آخرت سنوار سکتے ہیں۔

تقریب میں نعیم علی گجر ایڈووکیٹ، نصیر احمد کیانی ایڈووکیٹ، سید واجد گیلانی ایڈووکیٹ اور وکلاء کی بڑی تعداد شریک تھی۔

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا ہزارہ ڈویژن اور اسلام آباد کا یہ تنظیمی و فکری دورہ علم، قیادت، تربیت اور وحدت کے پیغام سے بھرپور ثابت ہوا۔ یہ دورہ اس بات کا مظہر تھا کہ منہاج القرآن اپنی علمی و تنظیمی روایت کو مزید وسعت دیتے ہوئے تحریکِ مصطفوی کے پیغامِ امن، علم و محبت کو پورے ملک میں عام کر رہی ہے۔

قومی رحمۃ للعالمین ﷺ اتھارٹی کے زیرِ اہتمام یوتھ کنونشن میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی خصوصی شرکت

گزشتہ ماہ ستمبر میں گورنمنٹ انسٹیٹیوٹ آف آرٹ اینڈ ڈیزائن، ایف-11 ون، اسلام آباد میں قومی رحمۃ للعالمین و خاتم النبیین ﷺ اتھارٹی کے زیرِ اہتمام یوتھ کنونشن کا انعقاد کیا گیا، جس میں ڈاکٹر حسن

محی الدین قادری نے فکر انگیز خطاب کیا۔ یوتھ کنونشن میں مختلف یونیورسٹیز اور کالجز کے طلباء وطالبات نے بھرپور شرکت کی۔ تقریب کے آغاز میں چیئرمین رحمۃ للعالمین اتھارٹی پاکستان، خورشید ندیم نے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ تقریب میں منہاج القرآن انٹرنیشنل کے ناظمِ اعلیٰ خُرم نواز گنڈاپور، مرکزی قائدین تحریک اور دیگر معزز شخصیات نے شرکت کی۔

یوتھ کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کہا کہ سیرتِ طیبہ ﷺ انسانوں سے محبت سکھاتی ہے۔ نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ جدید علوم وفنون کے ساتھ ساتھ مطالعۂ سیرتِ طیبہ ﷺ کو اپنی روزمرہ زندگی کا لازمی معمول بنائیں، کیونکہ یہی علم انسان کو ایمان، اخلاق اور انسانیت کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ایسے تین اوصاف نمایاں ہیں جو انسان کو تمام سماجی واخلاقی بگاڑ سے محفوظ رکھتے ہیں: درگزر سے کام لینا، نیکی اور بھلائی کی تعلیم دیتے رہنا، جاہلوں سے بحث و تکرار سے اجتناب کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو ان تین اصولوں پر عمل کرنے کا حکم دیا اور یہی اصول انسان کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ظاہری حیاتِ طیبہ کا ہر لمحہ، ہر عمل اور ہر فیصلہ سیرتِ طیبہ ﷺ کا حصہ ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ حضور ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کو سمجھے، اس کا مطالعہ کرے اور دوسروں تک اس کا پیغام پہنچائے۔ نوجوان اپنی گفتگو میں مغربی فلاسفرز، ادباء اور حکماء کے اقوال دہراتے ہیں، مگر انہیں چاہیے کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کے اقوالِ مبارکہ اور احادیثِ نبویہ کو یاد کریں، ان پر غور کریں اور اپنی روزمرہ گفتگو کا حصہ بنائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت ہی اسلام اور ایمان کا حقیقی جوہر ہے

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی معرکہ آراء تصانیف

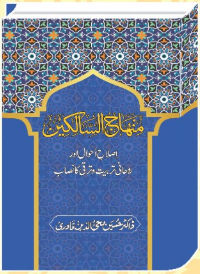

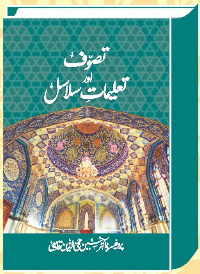

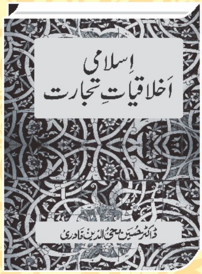

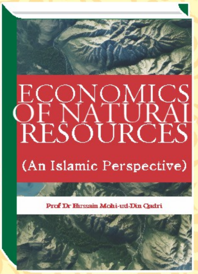

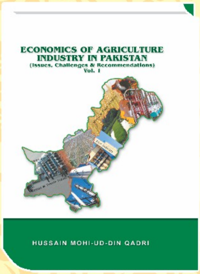

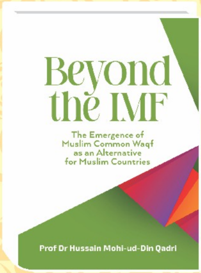

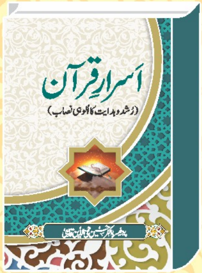

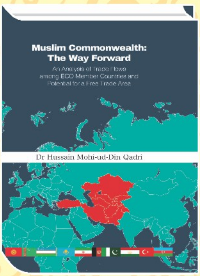

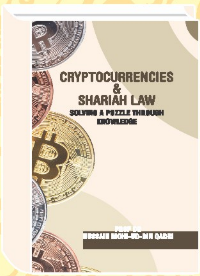

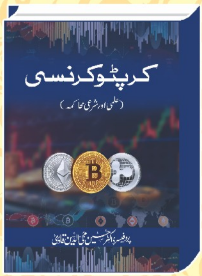

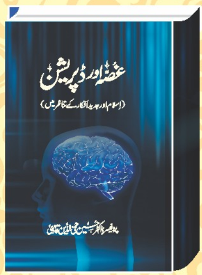

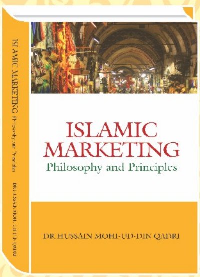

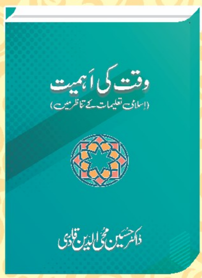

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
NOV-2025
LAHORE
Regd CPL No.41

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی معرکہ آراء تصانیف

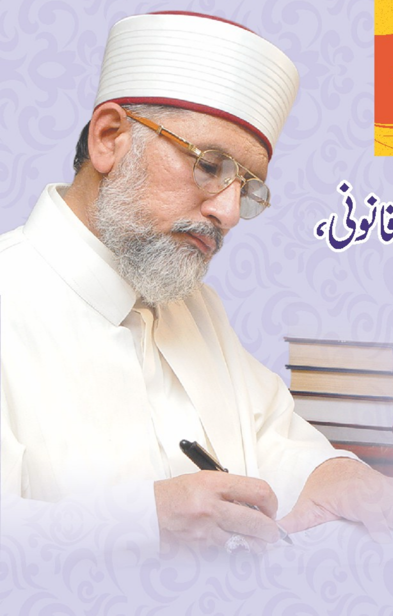

علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی،
انقلابی اور فکری و عصری موضوعات پر
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 650 سے
زائد کتب دستیاب ہیں